پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

مولانا سید سلیمان ندویؒ مشاہیرؒ کی نظر میں

ہم ماہ نومبر کی ۲۲ تاریخ کو سنہ ۱۹۵۳ء میں ندوہ کے عظیم سپوت سیرت نگار نبوی حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسی باکمال اور جامع شخصیت دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے لئے نہیں بلکہ عالم اسلام کے لئے سرمایۂ افتخار تھی۔ ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے گذشتہ ماہ عزیزیہ بھوپال کے ایک منتخب مجمع میں فرمایا تھا کہ "ندوہ صرف سید سلیمان ندوی کو پیدا کرتا تو تنہا یہ بات اس کی بقا اور ترقی کے استحقاق کے لئے کافی تھی۔"

سید صاحبؒ کی [illegible] برسی کے موقع پر "تعمیر حیات" ان کی زندگی اور کمالات پر چند مخصوص مضامین اس شمارے میں شائع کر رہا ہے۔

ایسی چنگاری بھی یا رب اپنے خاکستر میں تھی

"علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے؟"
—— (حکیم حضرت علامہ اقبالؒ)

"آج سید سلیمان ندویؒ ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں۔ وہ عالم ہی نہیں، امیر اسلام ہیں۔ مصنف ہی نہیں، رئیس المصنفین ہیں۔ ان کا وجود علم و فضل کا ایک دریا ہے جس سے سیکڑوں نہریں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔"

—— (حکیم حضرت علامہ اقبالؒ)

"سید صاحبؒ کا علمی مقام بلند تھا اتنا بلند کہ وہاں تک بہتوں کا طائر خیال بھی پرواز نہ کر سکے۔ ان کی جامعیت تو اس دور میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی۔ [illegible] اس دور کے تمام اہل علم و اہل نظر ہیں، صرف ہندوستان کے نہیں بلکہ دوسرے ملکوں کے بھی، مگر یہ واقعہ ہے کہ کوئی شخصیت علم و فن کے گوناگوں شعبوں کی ایسی جامع نظر نہیں آتی۔"

—— (مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم)
([illegible] ماہ اپریل ۱۹۵۳ء)

"اس دور میں وہ جامعیت علوم کی تنہا مثال تھے۔ ان میں ابن رشد، ابن خلدون، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، غزالی و رومیؒ، شاہ ولی اللہؒ، مجدد سرہندیؒ کے علمی جلووں کی جھلک نظر آتی تھی۔ [illegible] مسلمانوں کو جس قدر فیض پہنچا، اس کی مثال اس زمانہ میں کم ملے گی۔"

—— (مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی)
(معارف سلیمان نمبر)

"[illegible] معلوم ہوتے تھے۔ چاہے وہ اہل علم کا طبقہ ہو، چاہے ارباب سیاست کی محفل، خواہ طالب علموں کی جماعت ہو، خواہ عامۃ الناس کا اجتماع، جدید افکار و رجحانات سے کوئی کتنا ہی آشنا کیوں نہ ہوتا، سید صاحبؒ سے تبادلہ خیالات کرنے میں اسے کبھی یہ محسوس نہ ہوتا کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جس کی معلومات روایتی ہیں یا جس کا ذہن بندھے ٹکے خانوں میں اسیر ہے یا جس کے فکر و نظر کا دائرہ تنگ ہے۔ علی گڑھ میں جدید ترین افکار و اطوار سے مسلح اور مرعوب نوجوانوں کو میں نے دیکھا کہ خالص علمی اور ذہنی سطح پر مولانا کی ہمسری نہ کر سکتے تھے، اور بیشتر یہ ہوا کہ وہ سید صاحب سے کچھ سیکھ کر ہی واپس گئے۔"

"ان کی علمی، مذہبی، قومی، تہذیبی خدمات اس صدی میں اتنی زیادہ اور اتنی گرانمایہ ہیں کہ ایک شخص کی [illegible]۔"

—— (پروفیسر رشید احمد صدیقی)
(معارف سلیمان نمبر)

از سلیمان گیر اخلاص عمل
دان تو ندوی را منزہ از دغل
اے دلت پرنور از انوار حق
اے دلت مسرور از اخبار حق
اے دلت معمور از اسرار حق
اے دلت مخمور از آثار حق
([illegible])

"سید الملت محض ایک صوفی صافی، اور مرشد طریقت کب تھے؟ دنیا کے سامنے تو وہ ۴۰، ۴۵ سال تک بیسیوں مختلف حیثیتوں سے پیش ہوتے رہے۔ ایک عالم دین، ایک مورخ، ایک مقرر و خطیب، ایک ادیب، ایک مناظر، ایک معلم و مدرس، ایک سیاسی و ملی کارکن، ایک معزز روزنامہ کے اڈیٹر، ایک بڑی دینی درسگاہ کے ناظم، ایک بڑے تصنیفی ادارہ کے روح رواں، ایک شاعر، ایک نامور [illegible] کے محقق، فلاں فلاں کمیٹیوں کے ممبر، فلاں فلاں مجلس کے صدر، فلاں کے سکریٹری وغیرہ وغیرہ اور [illegible] مسائل پر [illegible] قلم و زبان سے ادا ہوئے ہیں۔

سید صاحب نرے صوفی صافی اور مرشد طریقت نہ تھے، ادیب، انشا پرداز، خطیب، مناظر، ایڈیٹر، مورخ، مدرس، معتمد دارالعلوم ندوۃ العلماء، ناظم دارالمصنفین اور کتنی ہی کمیٹیوں اور مجلسوں کے صدر، ناظم وغیرہ رہ چکے تھے، اور یہ سلسلہ آخر تک بالکل منقطع نہیں ہوا تھا۔"

—— (مولانا عبدالماجد دریابادی)
(صدق جدید لکھنؤ [illegible] نمبر)

"مسلک علم و عمل، اخلاق و عادات [illegible] ملک و ملت کے اعتبار سے سید صاحبؒ [illegible] پورے طور پر [illegible] سید صاحب کی تعمیر و تربیت [illegible] اور دینی [illegible] ہوئی تھی۔ جدید علوم [illegible] کسی سے استفادہ نہیں کیا تھا، لیکن [illegible] انہوں نے اپنے آپ کو [illegible] اور خاموشی سے [illegible]"

پروفیسر محمد اشرف خان صاحب

سید الملت متکلم وقت مولانا سید سلیمان ندویؒ

محقق شہیر، فاضل کبیر، متکلم عصر، شیخ وقت حضرت سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ ان نادر روزگار ہستیوں میں سے تھے جو قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ان کی آمد عالم کے لئے بہار نو کا پیغام لاتی ہے۔

سالہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات   تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ان کا وجود اپنے گوناگوں فضائل و کمالات، جامعیت و برکات، علوم و معارف، خدمات دینی و ملی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک مستقل نشانی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز خاص تھا۔ آپ کی جلالت شان، عظمت دینی، فضیلت علمی، خوبیٔ اخلاقی، رفعت عرفانی اور خدمت ملی سے کون ناواقف ہے، عصر حاضر میں جامعیت علوم میں اپنی مثال آپ تھے۔

علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا یہ فرہاد، نہ صرف خالص دینی علوم، قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ، تصوف و کلام اور سیرت میں امامت و سیادت کا مقام رکھتا تھا، بلکہ اس کی ہمہ گیری تمام منقولات کے علاوہ اور جدید معاشرتی و عقلی علوم کے مستند ہمسر کو اپنے پہلو میں لیے ہوئے تھی۔ وہ تاریخ اسلامی و علوم ملی کے رفیق درس، وہ باریک بین، رمز آشنا اور وسیع النظر مورخ تھے، علوم و فنون اسلامیہ کے گوشے گوشے پر ان کی گہری نگاہ، اور ان کی ارتقائی منازل و تاریخی مدارج پر عمیق نظر تھی، مختلف ادیان و ملل کی تاریخ پر ان کی عالمانہ نگاہ تھی، وہ اسلامی تاریخ پر حجت تھے، قرآنی علوم پر ان کا مطالعہ انتہائی وسیع، گہرا اور عمیق تھا، وہ ایک ناقد بصیر اور متبحر محدث تھے، علوم حدیث کی جملہ شاخوں علل و اسماء و رجال پر ان کی عمیق نظر تھی، فقہ اسلامی کے مختلف مسالک و مذاہب کا علم و فہم حیرت انگیز تھا۔

آپ بے مثل و یگانہ سیرت نگار تھے۔ فن سیرت نے ان سے جلا پائی، اور ان کے جواہر پاک سے چمکے، وہ اس فن کے مسلّم امام و مجتہد تھے۔ آپ نے سیرت کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، سوانح اور کلام و پیام و تعلیمات اسلامی کا دائرۃ المعارف بنا دیا، اور اس شرف میں پوری تاریخ اسلامی میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں، ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

سید الملت متکلم وقت تھے، اور عصر حاضر کے پرشور و پرکار دور میں دجال گیر فتنۂ مغرب کے دقیقہ رس ناقد، اور اس کے عمیق و دقیق علمی و استشراقی ذہنی و سیاسی، دجل و فریب کے رمز آشنا مبصر، دار المصنفین کے اس نامور نشین درویش نے اسلام پر تاریخ کے سب سے زیادہ کاری و موثر حملوں کا جواب جس بے جگری، جرأت و ہمت، دانشوری و حکمت، سنجیدگی و دانائی، گہرائی اور بصیرت کے ساتھ دیا، اور اسلام کے عقائد و اقدار اور علوم کی حفاظت کی، اس کی نظیر پورے عالم اسلامی میں نہیں ملتی۔

سلیمانِ وقت کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی وہ علمی و تحقیقی و نظری فتوحات ہیں جس نے فریب دانش حاضر کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا اور مسلمانوں کی متزلزل علمی صفوں کو ثبات بخشا اور علوم اسلام کے درخشندہ چہرہ سے گرد و غبار کے تو بہ تو پردوں کو ہٹا کر ان کی تابانیوں سے زمان و مکان کے لئے روشنی کا سامان بہم پہنچایا، ایک معمولی اور سادہ بستی کے ایک معمولی حجرے "دار المصنفین" کو اسلامی علوم و معارف، فکر و دانش اور دین خالص کا مرکز اور سلف صالحین کے فکر و مسلک کا اعظم گڑھ "حصن حصین" بنا دیا، جو سلیمانی علم کے زیر سایہ اسلامی علوم و فنون کی چالیس برس تک بے لوث و بے مثل خدمات بجا لاتا رہا، جس کی تحقیقی و علمی عظمت و شوکت کا اعتراف یگانوں اور بیگانوں نے برملا کیا۔

سید صاحب زباندان تھے، عربی و فارسی کے وہ متبحر عالم تھے، اور اردو کے بلند پایہ صاحب طرز ادیب اور سید المصنفین تھے، جرمنی انہوں نے سیکھی تھی، انگریزی وہ اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لیتے تھے، فرانسیسی سے (بقول مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم) وہ آشنا تھے، ان کی عربی سلاست، بے ساختگی و برجستگی میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی تھی۔

غرض سید الملت علم و دانش کے اس مقام پر فائز تھے، جس کا تصور بھی بہت سے دانشوروں کی ذہنی دسترس سے بالا ہے، تحقیق و جامعیت اور وسعت و عمق علوم میں پورے عالم اسلامی میں ان کی نظیر نہیں تھی۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے ہمہ جہتی عالم تھے۔

مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی

تحریک ندوۃ العلماء اور سید صاحبؒ

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کا جو زمانہ یورپ کی تاریخ کا سب سے زریں دور شمار ہوتا ہے وہی مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے تاریک اور مظلم دور ہے، یورپ اس زمانہ میں اپنی ترقی کے نقطۂ عروج تک پہنچ رہا تھا، اور اسلامی ممالک زوال کے آخری نقطے تک، گویا موت کی ہچکیاں لے رہے تھے، دنیا کی سیاسی و تمدنی قیادت کی وہ باگ جو ایک ہزار برس سے ان کے ہاتھوں میں تھی یورپ کے ہاتھوں میں جا رہی تھی، اور یہ صورت کا سنبھالا لے کر یکے بعد دیگرے اپنی قیادت کی زندگی سے محروم ہو رہے تھے، یا محروم کئے جا رہے تھے، یورپ غالب ہو رہا تھا، اور یہ محکوم و مغلوب ہو رہے تھے۔

مسلمانوں کا یہ زوال کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا جو اچانک پیش آگیا ہو، بلکہ اس کے پیچھے اسباب زوال کی ایک لمبی تاریخ رکھتا ہے، اسی طرح یورپ کا یہ غلبہ اور عروج محض کوئی جنگی یا سیاسی تغلب نہیں تھا جو یکایک اسے حاصل ہو گیا ہو، بلکہ اس کے جلو میں ایک جدید تمدن، ایک جدید فلسفہ، علوم و فنون، ایجاد و اختراع کی ہمہ گیر قوت اور سیرت و کردار کی ایک نئی طاقت تھی، جو اس نے برسوں کی محنت اور جانفشانی کے بعد فراہم کی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس کے اثرات جہاں پڑے وہاں اسکو محض سیاسی و معاشی غلبہ ہی حاصل نہیں ہوا، بلکہ اس سے وہاں کی تہذیب و تمدن، علم و فن اور فکر و نظر کے تمام گوشے متاثر ہوئے، یورپ کے اس غلبہ کا اثر یوں تو ساری دنیا پر پڑا، مگر اس کا شکار سب سے زیادہ اسلامی ممالک ہوئے، ہندوستان میں اہل یورپ کے معاشی اور کہیں کہیں سیاسی اثرات تو اٹھارہویں صدی کے آخر سے پڑنا شروع ہو گئے تھے، تاہم ابھی تک یہاں ایک نام نہاد مرکزی حکومت باقی تھی، جو عام ہندوستانیوں اور خاص طور سے مسلمانوں کی امیدوں کا آخری سہارا تھی، لیکن جب ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا، اور یہ آخری سہارا بھی جاتا رہا تو یہاں کے عام باشندوں میں شکست خوردگی اور انتشار ذہنی کی عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔

تحریک ندوۃ العلماء کا پس منظر:

مسلمانوں پر اس نئی صورت حال کا رد عمل دو طرح سے ہوا، ایک گروہ نئے انقلاب کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے میں لگ گیا اور دوسرا گروہ اپنے اسلاف کے چھوڑے ہوئے سرمایہ کی حفاظت میں مشغول ہو گیا۔

پہلے گروہ کا نقطۂ نظر زندگی کے ہر شعبہ میں سرتاسر تقلید و تقلید تھا، اس لئے اس سے جو لوگ متاثر ہوئے وہ آہستہ آہستہ سیاست، معیشت، تہذیب، تمدن، معاشرت، اخلاق حتی کہ دین و مذہب کے بارے میں بھی ان کا وہی نقطۂ نظر بن گیا جو حکمراں قوم کا تھا، اس سے کچھ مادی فائدے تو حاصل ہوئے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ اس طرز عمل کی بدولت ہمارا تصور دین بدلا، تصور اخلاق بدلا، اور ہماری تہذیب کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں۔

دوسرے گروہ کا رد عمل اس کے بالکل برعکس ہوا، پہلا گروہ اگر آنے والے سیلاب میں بہہ نکلا، تو دوسرا گروہ جمود کی چٹان بن کر بیٹھ گیا، اس نے کوشش کی کہ علوم، مذہب اور اخلاق و معاشرت اور روایات کی اس پوری میراث کو جو اٹھارہویں صدی کے لوگوں نے چھوڑا اور انیسویں صدی کے لوگوں نے پائی تھی جوں کا توں باقی رکھا جائے، اور نئی طرح کا کوئی اثر قبول کیا جائے اور نہ اس کے سمجھنے میں اپنا وقت ضائع کیا جائے، انہوں نے ایک لمحے کے لئے بھی اس پر غور نہیں کیا کہ اسلاف کی میراث کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس میں کیا چیز باقی رکھنے کے لائق ہے اور کیا بدلنے کے لائق ہے اور نہ اس کی جانب نظر کی کہ جدید تہذیب سے کیا لینے کے قابل ہے اور کیا چھوڑنے کے قابل ہے، اس کے بجائے انہوں نے اپنا سارا زور پچھلی حالت کو باقی رکھنے پر صرف کیا، ان کا نصاب و طریقۂ تعلیم، ان کے مشاغل، ان کے مسائل، ان کا انداز فکر اور طریق کار سب کا سب وہی تھا جو ایک صدی پہلے تھا، الا ماشاء اللہ۔

اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے دین و اخلاق کی جو میراث چھوڑی تھی، کچھ لوگ اس کو سنبھال کر بیٹھ گئے، اور آئندہ نسلوں کو منتقل کرتے گئے، اور آج قرآن و سنت کا جو علم ہمارے پاس باقی رہ گیا ہے وہ انہی کی بدولت رہ گیا ہے، مگر اس گروہ کے طرز عمل سے کچھ نقصانات بھی ہوئے۔

انیسویں صدی کے آخر میں قریب قریب پورے ہندوستان کی یہی صورت حال رہ گئی

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات لکھنؤ

جلد نمبر ۱۲ — سالانہ ۱۰ روپے

شمارہ نمبر ۲ — فی پرچہ ۴۰ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ نومبر ۱۹۷۴ء — ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ

اسحاق جلیس ندوی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے انتظامیہ، اساتذہ اور طلباء سے کچھ صاف صاف باتیں

غلط روایات (Ragging) کی پرستش، انھیں ہر قیمت پر برقرار رکھنے کی کوشش اور آنے والی نسلوں تک ان میں مزید قباحتوں کو شامل کر کے منتقل کرنے کی ذہنیت کسی جاہل، اجڈ اور تہذیب ناآشنا افراد، بدوی قبیلے میں تو ہو سکتی ہے مگر یہی مزاج کسی ایسے تعلیمی مرکز میں برقرار رہے اور پروان چڑھے جس کے بارے میں یہ مسلّم ہو کہ یہ ادارہ اپنے بانی کے تصور و خیال میں اسلامی تعلیمات، دینی اخلاق اور عصری علوم کا سرچشمہ ہو تو یہ بات حد درجہ افسوسناک ہے۔

ہم ان سطور میں جس تکلیف دہ، اخلاق سوز اور انسانیت کش روایت کا ذکر کر رہے ہیں اس پر بہت پہلے ہماری صحافت کو، سماجی مصلحین کو، دینی رہنماؤں، علمی شخصیتوں اور ماہرین تعلیم کو توجہ کرنی چاہیے تھی۔ مگر عرصہ تک انتظار کے بعد بھی جب اصلاح حال کی طرف کسی جانب سے منظم اور مؤثر کوشش نظر نہیں آئی تو مجبوراً ہمیں قلم اٹھانا پڑ رہا ہے۔

شمالی ہند کے بعض تعلیمی اداروں میں تعلیمی سال کے آغاز میں نئے داخلہ لینے والے طلباء کو انٹروڈکشن کے نام سے جس طرح پریشان کیا جاتا ہے اس کی تفصیلات کوئی مہذب انسان سن نہیں سکتا۔ اس رسم بد کا آغاز چاہے کتنی ہی نیک نیتی اور کسی بھی مصلحت سے ہوا ہو مگر اب جو اس میں خرابیاں شامل ہو گئی ہیں انھیں دیکھ کر اور سن کر اس رسم کے بانیوں کے لئے قابیل کے جرم کی سزا کی طرح عتاب و عذاب کے تسلسل کا یقین ہو چلا ہے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو اپنے طلباء کے نظم و ضبط اور تعلیمی معیار میں ممتاز ہے اپنی آغوش میں پناہ لینے والے اور علمی استفادہ کی نیت سے اپنے وطن، گھر بار اور عزیز و اقرباء کو چھوڑ کر آنے والے نئے نوجوانوں کے ساتھ وہ اسلامی یا انسانی اخلاق برتتی جو اپنے منفرد نتائج کے لحاظ سے دوسروں کے لئے قابل تقلید مثال بن جاتا تو یہ اس کی تاریخ، اس کے مقاصد اور تخیل اور اس کے نام کے عین مطابق تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اس یونیورسٹی میں داخلہ لینے والے نئے طلباء مہینوں اپنے ہی سینئر ساتھیوں بلکہ بڑے بھائیوں کے ہاتھوں عذاب میں مبتلا رہتے ہیں اور خوف و دہشت، آبروریزی اور اہانت، ذہنی اور جسمانی تعذیب کے ناقابل برداشت مراحل سے گذرتے رہتے ہیں۔ ہم اس شرمناک روایت کے مختلف پہلوؤں کو لکھنے سے قطعاً قاصر ہیں، جس میں فحش گالیاں کہلوائی جاتی ہیں، مرغا بنایا جاتا ہے، ننگا کیا جاتا ہے، جسمانی تعذیب کے نئے نئے تجربے ہوتے ہیں، ناشائستہ حرکتیں کی جاتی ہیں، جنہیں مجمع عام میں ان پڑھ رکشا والے اور کباڑی بھی نہیں کر سکتے۔ طلبہ بے تکلف … انھیں کو جنہیں سمجھا جاتا ہے جو کسی دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل عالم دین ہوتے ہیں۔ ادب سے خالی غیر انسانی سلوک ان نو وارد طلباء سے کیا جاتا ہے جن سے بڑھ کر دلجوئی، ہمدردی، غمگساری، رواداری اور اخوت و محبت کا مستحق اس ادارہ میں دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ نو وارد طلباء کی جھجک دور کرنے کے لئے بھائی چارے کا درس اور ان پر اپنی سینیارٹی کا رعب جمانے کے لئے مار پیٹ اور فحش گوئی یہ کس فلسفۂ اخلاق اور اصول نفسیات سے اخذ کیا گیا ہے؟ پھر ہمارے تعلیمی اداروں میں نفع اور ضرر کے پیمانے کو یکسر نظر انداز کیوں کیا جاتا ہے؟ اس پر غور و فکر کیوں نہیں کہ اس روایت میں اس کے خلاف کوئی … بزرگ مختلف پہلوؤں میں … سمجھتا ہے کہ اس [illegible]

دعوت میں جس میں یہ تکلیف دہ اور شرمناک غیر منظم روش کو پہنچ جاتا ہے اساتذہ کے بیران بھی شریک ہوتے ہیں) نفع اور خیر کا پہلو غالب ہے یا نقصان اور ضرر کا؟

ہم نے اس اداریہ میں مسلم یونیورسٹی کو مخاطب کیا ہے۔ کیونکہ ہم اپنوں سے شکایت بھی کر سکتے ہیں اور انہیں غیروں کے لئے مشعل راہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں سب سے پہلے اصلاح کی امید اسی ادارے سے ہو سکتی ہے جہاں کے طلباء اور اساتذہ کی اکثریت نہ صرف مسلمان ہے بلکہ اسلام کو مکمل نظام زندگی یقین کرتی ہے اور اسے معاشرے میں غالب اور کارفرما دیکھنے کی آرزومند ہے۔ جس مسلم یونیورسٹی میں تبلیغ کے نام سے اصلاحی کام بہت منظم اور مثالی ہے اور اس دینی دعوت سے وابستہ نوجوان اپنی دینداری اور کردار و عمل میں عربی مدارس کے طلباء کے لئے قابل رشک ہیں۔ جہاں کے وائس چانسلر بااخلاق اور حقیقت پسند مسلمان ہیں، جہاں کے اسٹاف میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر اقبال انصاری ندوی، پروفیسر خالد صدیقی، ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی، مولانا تقی امینی، ڈاکٹر ابرار مصطفیٰ، ڈاکٹر نادر علی، ڈاکٹر فضل الرحمن، ڈاکٹر بشیر الحق، ڈاکٹر نسیم قریشی، ڈاکٹر خلیل الرحمن ندوی جیسے بیسیوں اسلام پسند اور دیندار حضرات ہیں۔

جہاں اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن بھی ہے اور جہاں ہندوستان کی دیگر یونیورسٹیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ اسلامیات کے درس کا انتظام و اہتمام ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں اور دین کی دعوت کو پورے ملک بلکہ یورپ و امریکہ تک پہنچانے والوں کی نگاہ اپنے گردوپیش کی اس خرابی کی اصلاح کی طرف کیوں نہیں جاتی جس کا تنہا وجود غضب الٰہی کو دعوت دینے کے لئے کافی ہے جو برسوں کی اصلاحی کوششوں کو بے اثر کر سکتا ہے۔

ہم نے جس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی وہ تنہا اسلام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ ایک عام انسانی مسئلہ ہے۔ یونیورسٹی کے وہ طلباء اور اساتذہ جو غیر مسلم ہیں یا خدا کے منکر اور مذہب سے کنارہ کش ہیں ان سے بھی ہم انسانیت اور اخلاق کے نام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی اس ناشائستہ رسم کے تدارک کی مؤثر کوشش کریں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تمام اسلام پسند اور انسانیت دوست افراد سے ہماری گذارش ہے کہ وہ اجتماعی طور پر اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور فرمائیں اور اس مذموم رسم کو ختم کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش فرمائیں۔ ع

"شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات"

دین و دنیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جب اسلام آیا تو اس نے دنیا کی اس قدیم غلط فہمی کو دور کیا کہ دین اور دنیا الگ الگ چیزیں ہیں۔ دین دنیا ہے اور دنیا دین ہے۔ دین میں جب خواہشات نفسانی شامل ہوں تو دنیا ہو جاتا ہے اور دنیا میں احکام الٰہی کا اتباع پیش نظر ہو تو دین ہو جاتی ہے۔

اس طرح جو چیز ان دونوں کے درمیان حد قائم کرتی ہے وہ انسان کا نقطۂ نظر ہے۔ اگر وہ صحیح ہو تو پھر حد بھی قائم رہتی ہے اور دونوں چیزیں ایک ہو جاتی ہیں۔ دینی حکومت جس کو دنیا کہا جاتا ہے اگر وہ خدا کی مرضی کے لئے کی جائے تو دین ہے۔ مال و دولت جمع کرنا دنیا ہے، لیکن احکام الٰہی کے تحت ہو اور اس سے حق والوں کی خدمت پیش نظر ہو تو وہ دین ہو جاتا ہے۔ خودکشی دنیا ہے لیکن احکام خداوندی کی تعمیل میں کوئی اپنی جان فدا کرے تو شہادت کی شکل پاکر دین ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید نے متعدد آیات میں انسانی اعمال کی جزا کو دنیا اور دین دونوں سے متعلق فرمایا ہے۔ یہ حکمت جب تک مسلمان سمجھتے رہے ان کے تمام اعمال و افعال میں یکسانیت نمایاں رہی، ان کی دنیا بھی دین رہی اور دین عین دنیا۔ مسلمانوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو ایک مدت سے فراموش کر دیا ہے۔ انہوں نے بھی دین و دنیا کے حدود مقرر کر لئے ہیں اور خدا اور قیصر دو خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ یہی ان کی تباہی کا اصل سبب ہے۔ اب امت محمدیہ کا اولین کام یہ ہے کہ دین و دنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات و فلاح کی تدبیر تلاش کرے۔ (ماخوذ۔ از علامہ سید سلیمان ندوی)

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم اے، پی ایچ ڈی، صدر شعبہ عربی ... کالج ...

تاریخ سنت میں
امام زہری کا مقام

امام ابن شہاب زہری کی عظمت یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ میں پہلی بار احادیث کی تدوین کی۔ انہوں نے علم حدیث طریقہ اسناد کا رواج ڈالا۔ انہوں نے بہت سی احادیث ہم تک ایسی پہنچائیں کہ جو اگر نہ ہوتیں تو ہمیں کسی اور ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتی تھیں۔ انہوں نے دس اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے آنکھیں شاد کی تھیں۔ تمام علمائے جرح و تعدیل ان کی غیر معمولی علمیت، ذکاوت پر متفق الرائے ہیں۔

احادیث کے سلسلہ میں امام زہری کی روایات مل جاتی ہیں مگر آج ہم تفصیل سے ان کے حالات زندگی، کارناموں اور ان پر مستشرقین کے اعتراضات کا بیان ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی سے کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ترجمہ امام صاحب کے بارے میں اتنا مفصل اور مفید ہے کہ اسے علیحدہ سے شائع ہونا چاہئے۔ ترجمہ میں نے لفظی نہیں بلکہ بامحاورہ کیا ہے۔

ان کا نام ابوبکر محمد بن مسلم عبید اللہ بن شہاب بن عبد اللہ بن حرث بن زہرہ قرشی ہے۔ راجح خیال یہ ہے کہ وہ ۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مسلم بن عبید اللہ تھے جو حضرت ابن زبیر کی بنو امیہ کے خلاف جنگوں میں شریک تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو زہری نوجوان تھے لیکن گھر میں نہ سامان تھا اور نہ پیسہ۔ اس عالم میں ان کی بہبود کا کوئی سرپرست بھی نہ تھا۔ ان کے ایک بڑے بھائی ضرور تھے مگر تاریخ ان کے بارے میں خاموش ہے۔

امام صاحب نے سب سے پہلے قرآن کی طرف توجہ کی۔ اور ان کے بھتیجے کے بیان کے مطابق امام زہری نے پورا قرآن مجید اسی دنوں میں حفظ کر لیا۔ پھر وہ عبد اللہ بن ثعلبہ کے پاس جانے لگے اور ان سے اپنی قوم کا نسب سیکھنے لگے۔ اس کے بعد خیال آیا کہ حرام اور حلال کے مسائل سیکھنے چاہئیں اور حدیث کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ لہذا انہوں نے ان تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری شروع کی جن تک وہ پہنچ سکتے تھے۔ ان کی تعداد دس تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں حضرت انس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر اور حضرت سہل بن سعد شامل ہیں۔ وہ کبار تابعین کی خدمت میں جانے لگے […] سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اور ابوبکر ابن عبد الرحمن وغیرہ۔ سب سے زیادہ وہ جن کی خدمت میں رہے وہ امام جلیل سعید بن مسیب تھے جن کی صحبت میں وہ آٹھ برس تک رہے۔ وہ کبھی کبھی شام بھی تشریف لے جاتے تھے۔ پہلی بار وہ مروان کے زمانہ میں شام گئے تھے جب کہ وہ نوجوان تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر کے انتقال کے بعد ان کا تعلق عبد الملک سے ہوا۔ اس کے بعد ولید، سلیمان، ہشام، عمر بن عبد العزیز اور یزید ثانی سے ان کے تعلقات خوشگوار رہے۔ وہ زندگی بھر شام، عراق اور حجاز کے سفر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی وفات ۱۲۴ھ میں ادامی میں ہوئی جو فلسطین سے ملحق حجاز کا آخری ضلع ہے۔ وہاں ان کی جائداد بھی تھی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۷۲ برس کی تھی۔ انہوں نے وصیت کی کہ ان کو شاہراہ پر دفن کیا جائے تاکہ جو ادھر سے گزرے وہ ان کے لئے دعا کرے۔

امام زہری کا قد چھوٹا اور داڑھی چھوٹی تھی وہ سر اور داڑھی پر مہندی لگاتے تھے۔ ان کی آنکھوں میں […] کی خرابی تھی۔ ان کی زبان میں بڑی فصاحت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے دور میں تین اشخاص زبردست فصاحت و بلاغت کے مالک تھے یعنی امام زہری، عمر بن عبد العزیز اور طلحہ بن عبید اللہ۔ امام صاحب غیر معمولی سخاوت کے بھی حامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ لیث بن سعد نے کہا کہ ابن شہاب ان لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے جن کو میں نے دیکھا۔ جو بھی ان سے مانگتا اس کو وہ محروم نہ کرتے جب کچھ باقی نہ رہ جاتا تو دوستوں سے لے کر دوسروں کو دیتے۔ کبھی اپنے غلام سے مانگ کر سائل کی حاجت روائی کرتے۔ کبھی کوئی سائل آتا اور ان کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو اس وقت غم سے ان کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور سائل سے فرماتے عنقریب اللہ تعالیٰ کچھ بھیجے گا۔ امام زہری چونکہ بے پناہ سخاوت کی وجہ سے ہمیشہ […] رہتے، خدا کا فضل رہتا، کبھی کوئی ہدیہ کرتا اور کبھی کہیں سے قرض مل جاتا پھر ان کے پاس جائداد بھی تھی۔

امام زہری عام لوگوں کے لئے ثرید ایک مخصوص عرب کھانا اور شہد کا انتظام رکھتے اور ان سب کی ضیافت کرتے۔ ایک بار وہ کسی جگہ پانی پینے گئے وہاں پانی پلانے والوں نے شکایت کی کہ ہمارے یہاں اتفاق سے ۱۸ بوڑھیاں ہیں اور ان کی خدمت کے لئے کوئی انتظام نہیں۔ امام صاحب کے پاس بھی اس وقت کچھ نہ تھا لہذا انہوں نے قرض لے کر ان معذوروں کے لئے لونڈیوں کا انتظام کر دیا۔ جو لوگ ان کی خدمت میں احادیث سیکھنے آتے اگر ان میں سے کوئی کھانا کھانے سے انکار کرتا تو وہ قسم کھا لیتے کہ اگر اس نے نہ کھایا تو دس دن وہ اس سے حدیث بیان نہ کریں گے اسکی وجہ سے طالب علم کھانے پر مجبور ہو جاتے۔ امام زہری دیہاتیوں کو دین سکھانے کا شوق رکھتے تھے اور اس طرح کے انہوں نے بہت سے تبلیغی سفر بھی کئے۔ ان کی عادت یہ تھی کہ جاڑوں میں وہ طالبان علوم نبوت کو شہد اور پالا کھلاتے اور گرمیوں میں شہد اور شکنجبین پیش کرتے۔ اس غیر معمولی سخاوت کی وجہ سے ان پر قرض چڑھتا رہتا جب رقم بہت زیادہ ہو جاتی تو کبھی بنی امیہ کے خلفاء اس کو ادا کر دیتے اور کبھی ان کے دوست اس قرض کو چکا دیتے۔

امام زہری کی عمدہ صفات میں سے دو چیزیں بہت اہم ہیں جنہوں نے ان کی علمیت کو چار چاند لگا دئے تھے اور آفاق میں ان کی شہرت پھیل گئی تھی۔ ان کو طلب علم کا شوق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ انہیں علماء سے ملنے کا غیر معمولی شوق تھا۔ وہ جو کچھ ان سے سنتے تھے اسکو یاد کر لیتے تھے۔ وہ راتوں کو جاگ کر مسائل اور احادیث یاد کرتے۔ یہاں طلب علم میں ان کی جد و جہد اور شوق فراواں کے چند نمونے لکھے جاتے ہیں۔

امام زہری کے علم کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود کی خدمت اس لئے کرتے تھے کہ ان سے علم حاصل کریں۔ وہ ان کا پانی بھرتے پھر وہ پانی لیکر دروازے پر کھڑے رہتے۔ عبید اللہ اپنی لونڈی سے پوچھتے کہ دروازہ پر کون ہے وہ لونڈی کہتی کہ آپ کا غلام اعمش ہے یعنی زہری اس لئے کہ ان کی آنکھوں میں چندھا پن تھا وہ ملازمہ ان کو غلام سمجھتی اس لئے کہ ہر وقت امام زہری عبید اللہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور کثرت سے ان کی خدمت کرتے۔

وہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ امام زہری جب گھر جاتے تو تنہائی میں بیٹھ کر اپنی کتابیں چاروں طرف رکھ لیتے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے یہاں تک کہ ان کی اہلیہ پریشان ہو جاتیں۔ انہوں نے ایک دن کہا کہ خدا کی قسم یہ کتابیں میرے لئے تین سوکنوں سے زیادہ سخت ہیں۔ امام صاحب کی عادت تھی کہ جب کسی شیخ سے کوئی حدیث سنتے تو اپنے گھر آتے اور اپنی لونڈی کو جگاتے اور اس سے کہتے مجھ سے فلاں شخص نے آج یہ حدیث بیان کی ہے۔ وہ لونڈی کہتی کہ حضرت اس حدیث کا مجھ سے کیا تعلق؟ امام زہری فرماتے کہ میں جانتا ہوں کہ تم اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتیں لیکن اس کو میں نے ابھی سنا ہے میں نے چاہا کہ اس کا ذکر تم سے کر کے اس کی یاد کو مضبوط کر لوں۔

امام صاحب کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ وہ کثرت سے شہد کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ حافظہ کو قوی کرتا ہے۔ وہ کھٹا سیب اور سرکہ استعمال نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں نسیان پیدا کرتے ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ جس کو حدیث یاد کرنے کی خوشی حاصل کرنی ہو اسکو چاہئے کہ منقے کھایا کرے۔

ان کا حافظہ حیرت انگیز کیفیت کا حامل تھا۔ انہوں نے ۸۰ دنوں میں قرآن مجید یاد کر لیا تھا۔ لیث نے امام زہری سے روایت کی ہے کہ میں نے جو کچھ اپنے دل میں امانت رکھا اس کو کبھی نہیں بھولا۔ عبد الرحمن بن اسحاق ان سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی حدیث کے بارے میں اپنی یادداشت پر شبہ نہیں کیا۔ صرف ایک بار ایک حدیث پر شبہ کیا مگر جب اپنے ایک دوست سے پوچھا تو وہ ویسی ہی تھی جیسی کہ مجھے یاد تھی۔ ان کے نوادرات میں سے وہ واقعہ ہے جس کو مورخ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں عبد العزیز بن عمر وان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عبد الملک نے ایک مرتبہ […] کو خط لکھا جو دو صفحات پر مشتمل تھا۔ وہ خط مجمع پر پڑھا گیا۔ جب حضرت سعید بن مسیب کے ہم نشین ان کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ خط میں کیا لکھا تھا لوگوں نے مختلف جواب دیے۔ سعید بن مسیب […] مطمئن نہیں ہوئے […] نے پوچھا کیا آپ پورا خط سننا چاہتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ بس امام زہری نے پورا خط زبانی اس طرح پڑھ دیا جیسے کوئی لکھا کر ہاتھ میں لے کر پڑھتا ہے۔

امام زہری کی حفظ کی شہرت بہت بڑھ گئی تو خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ان کو آزمانا چاہا۔ انہوں نے امام صاحب سے کہا کہ میرے بچے کے لئے کچھ حدیثیں لکھوا دیجئے۔ چنانچہ اس نے ایک کاتب کو بلایا اور امام صاحب نے چار سو حدیثیں املا کرا دیں۔ ایک ماہ بعد ہشام نے پھر امام صاحب سے کہا کہ وہ صحیفہ جو آپ نے لکھوایا تھا کہیں کھو گیا ذرا ان حدیثوں کو دوبارہ لکھوا دیجئے جو پہلے املا کرائی تھیں۔ امام صاحب نے کاتب کو پھر حافظہ کی مدد سے چار سو احادیث املا کرا دیں۔ ہشام نے پہلی احادیث کا مقابلہ دوسری حدیثوں سے کیا تو دونوں میں اس کو ایک حرف کا بھی فرق نہ ملا۔

امام زہری کی شہرت بہت جلد پھیل گئی اور دور دراز سے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ انہوں نے علم محنت سے حاصل کیا۔ سفر اور شب بیداری کی مشقتیں برداشت کیں اور اپنے شیوخ کی خدمت کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی قوت حافظہ، وسعت علم اور تقویٰ کی شہرت عام ہو گئی۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ امام زہری مدینہ میں داخل ہوتے تو وہاں کے علماء اس وقت تک احادیث بیان نہ کرتے جب تک کہ وہ مدینہ سے چلے نہ جاتے۔ میں نے مدینہ میں مشہور اسی برس کے مشائخ کو دیکھا کہ ان کی حدیثیں لوگ قبول نہیں کرتے لیکن امام زہری جہاں آتے لوگ ان کی طرف ازدحام کرتے حالانکہ ان کی عمر کم تھی۔

امام زہری کی وسعت علم پر علماء کی شہادت:

امام ذہبی نے تذکرہ میں اور حافظ ابن عساکر نے تاریخ میں لکھا ہے کہ لیث بن سعد نے کہا کہ میں نے امام زہری سے بڑا جامع عالم نہیں دیکھا۔ ان کی معلومات ترغیبی احادیث کے بارے میں بہت زیادہ ہیں۔ قرآن کے بارے میں بھی وہ بہت زبردست تھے اور جامع سنن کا علم رکھتے تھے۔

امام مالک نے روایت کی ہے کہ امام زہری مدینہ آئے اور انہوں نے ربیعہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں بیت المال میں داخل ہوئے۔ جب عصر کا وقت قریب آیا تو امام زہری نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ ربیعہ کے مقابلہ کا کوئی عالم مدینہ میں موجود نہیں ہے۔ ربیعہ باہر تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ میرا خیال ہے کہ علم جہاں تک زہری پہنچ گئے ہیں کوئی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

عمرو بن دینار نے ایک طویل مدت تک امام زہری کے ساتھ رہنے کے بعد فرمایا کہ خدا کی قسم اس قرشی جیسا عالم میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

سنت میں ان کا مقام:

ابن ابی ہاشم نے جرح و تعدیل میں اور حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ہم نشینوں سے ایک دن فرمایا کہ تم لوگ امام زہری سے ملتے رہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم ضرور ان سے ملیں گے۔ پھر فرمایا کہ اب ان سے بڑا کوئی عالم باقی نہیں رہا۔

علی بن مدینی نے فرمایا کہ حجاز کے ثقہ راویوں کا علم عمرو بن دینار کو ہے اور بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر کو علم ثقات میں مہارت حاصل ہے۔ کوفہ میں ابو اسحاق اور اعمش ثقہ راویوں کا علم رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان سب راویوں اور ان کی احادیث کا علم ان چھ بزرگوں کے ذخیرہ علم میں محفوظ ہے مگر ان چھ میں سے ایک بزرگ عمرو بن دینار نے فرمایا کہ حدیث کے بارے میں زیادہ صاحب بصیرت اور بہت علم رکھنے والا میں نے امام زہری سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔

ایوب نے سفیان بن عیینہ سے کہا کہ حجاز میں امام زہری کے بعد سب سے بڑا عالم یحییٰ بن ابی کثیر کو سمجھنا چاہئے۔ سفیان بولے کہ سنت کا سب سے بڑا عالم امام زہری کو قرار دینا چاہئے کہ لوگوں میں اتنا بڑا عالم سنت اور کوئی موجود نہیں۔

مکحول نے کہا کہ سنت کا علم رکھنے والا سب سے بڑے عالم امام زہری ہیں۔

یحییٰ بن سعید نے کہا کہ جو علم کی دولت زہری کو حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں۔

اس طرح علماء کے بیانات اس حقیقت سے لبریز ہیں کہ امام زہری اپنے دور میں سب سے بڑے عالم سنت تھے اور شاید خود زہری کے بیان میں اس کا ثبوت ہو سکے جس کو ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ امام زہری نے فرمایا کہ ۴۵ یا ۴۶ برس تک اہل شام کی احادیث کو اہل حجاز کی طرف اور اہل حجاز کی احادیث کو اہل شام تک منتقل کرتا رہا۔ اس طویل دور میں کسی کو میں نے نہ پایا جو مجھ سے کوئی نئی حدیث بیان کرتا۔

علم سنت میں ان کے آثار:

امام زہری کے احادیث کی تعداد ۲ ہزار [illegible] سو موجود ہیں۔

(۱) وہ سب سے پہلے محدث ہیں جنہوں نے سنت کی تدوین کی۔ انہوں نے یہ عظیم کام حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اشارہ سے کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے گورنر ابوبکر بن حزم کو لکھا اور دوسرے حافظوں کو ہدایت کی کہ احادیث کو جمع کیا جائے۔ (بقیہ [illegible])

استاذ محترم

حضرت ماہر القادری کی پابوسیاں

از شمیم الشاکری ندوی

شب آرزو ہے غم بیکراں ہے — سحر جیسے محروم نام و نشاں ہے
جدھر دیکھئے شور آہ و فغاں ہے — "زمانے میں آرام و راحت کہاں ہے
یہاں آسماں ہے وہاں آسماں ہے"

جئے جا رہا ہوں کچھ اس طرح تجھ بن — جہان نظر میں نہ مونس نہ محسن
یہ آوارگی رنگ لائے گی کس دن — "میں قائل ہوں دیر و حرم کا بھی لیکن
ترا آستاں پھر ترا آستاں ہے"

خدا کے لئے اک ذرا آنکھ کھولو — حقارت سے اہل جنوں کو نہ دیکھو
اے گیسوئے ہوش و خرد کے اسیرو — "محبت کے رہرو کو تنہا نہ سمجھو
طلب راہبر ہے جنوں پاسباں ہے"

فسانے کہاں کے سناتا ہے واعظ — حقیقت سے آنکھیں چراتا ہے واعظ
مذاق عاشقی کے اڑاتا ہے واعظ — "گناہوں سے مجھ کو ڈراتا ہے واعظ
ابھی تو مری ہر تمنا جواں ہے"

[illegible] دل شکستہ ہوں ماہر — بر لفظ دگر غم رسیدہ ہوں ماہر
مگر راز دل آج کہتا ہوں ماہر — "میں اس طبع نازک پہ شیدا ہوں ماہر
کہ حرف تمنا بھی جس پر گراں ہے"

ندوہ کے شب و روز

عرب وفود کی آمد

جماعت اسلامی ہند کے پانچویں کل ہند اجلاس میں شرکت کے بعد مختلف عرب ممالک کے وفود دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معائنہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی کی ملاقات و زیارت کے لئے لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ ان مہمانوں میں استاذ عبداللہ العقیل، شیخ عبدالفتاح ابو غدہ، شیخ محمود الحافظ، شیخ صالح [illegible]

ان عرب مہمانوں کے استقبال میں طلباء کی انجمن نے جلسوں کا بھی انعقاد کیا۔ ان جلسوں سے ناظم ندوۃ العلماء اور مہمان حضرات نے خطاب فرمایا۔

طلباء کی طرف سے سید سلمان حسنی نے عربی میں سپاسنامہ پیش کیا جس میں ندوہ کے تخیل، مقاصد اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی علمی و دینی خدمات کا ذکر تھا۔ مہمانوں نے دارالعلوم کے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا اور دارالعلوم کی کارکردگی اور اس کی خدمات سے متاثر ہوئے۔ ان حضرات نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ "ہم نے ندوہ کو اپنے تصور و خیال سے زیادہ بہتر، وسیع اور مقبول پایا۔"

• تعمیر حیات کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے

محمد حفیظ اللہ ندوی

ایک حسین وجمیل شخصیت

مولوی حسین حسان ندوی جامعی مرحوم

مولوی حسین حسان ندوی وجامعی ندوہ میں میرے ہم عصر رہے اور جامعہ میں بھی ہم سبق۔ ان کا میرا ساتھ بہت پرانا تھا۔ جب میں ندوہ میں داخل ہوا میری عمر بارہ برس کی تھی، حسین حسان مجھ سے عمر میں بڑے تھے، مجھ سے دو تین سال بعد وہ ندوے پہنچے۔ یہ فرق کچھ ایسا فرق نہ تھا کہ ہم میں ان میں تکلف یا خوردی بزرگی پیدا کر دیتا۔ الغرض برابری کا ساتھ زندگی کے آخری دور تک رہا۔

ندوہ میں دو برس تو ایک دوسرے سے بہت قریب رہے، ہر کام ہر بات میں شریک۔ ساتھ جامعہ مجھ سے پہلے پہنچ چکے تھے اور انہوں نے مجھے بھی جامعہ کھینچ لیا۔ کچھ عرصے کی جدائی کے بعد ہم پھر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ میں بیچ بیچ میں جامعہ چھوڑ کر ادھر ادھر آتا جاتا رہا، وہ قطب کی طرح جمے رہے، یہیں کے ہو کر رہ گئے اور اعتقاد ولیے کا ایک مجسمہ جمیل شکل تھا جس میں کبھی فرق نہیں آیا۔ میری دوری اور قربت کا کوئی ایسا زمانہ نہ رہا جس میں میرا ان کا ربط مسلسل قائم نہ رہا ہو۔ یہ کہئے کہ زندگی کے نصف سرآغاز سے موت کے آخری لمحوں تک یہ عزیز رفاقت جاری رہی۔ ایسے ساتھی کے متعلق کچھ لکھنا جس قدر دشوار ہے اس کا اندازہ مجھے آج ہو رہا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں کہ حادثہ تازہ ہے، ابھی مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور میں ان اثرات کی گرفت میں جکڑا ہوا ہوں جو جانے والے کی جدائی سے تو ہر ایک دوست اور ساتھی پر ہو سکتے ہیں۔ برادر عزیز لطیف اللہ ندوی صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ قلم اپنی روانی کھو چکا ہے، رک رک کر چلتا ہے، صرف ایفائے وعدہ کا احساس کار فرما ہے، ورنہ طبیعت لکھنے لکھانے پر مائل نہیں۔ ایسی حالت میں چند بے جوڑ جملوں سے شاید میں اس حسین وجمیل شخصیت کا تصور پیش نہ کر سکوں جیسی عظیم وہ تھی۔

اپنے مطلب کو زیادہ واضح انداز میں بیان کرنے کے لئے بغیر تعلّی و انکسار کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے، زندگی کے بے انتہا نشیب و فراز دیکھے ہیں، معمولی زندگی سے چل کر محلوں کی آسائشوں تک پہنچا اور پھر پٹڑی پر اور بے گھر زندگی سے بھی دو چار ہوا ... اس بیچارے کی ... بہت ... دیکھیں ... مولویوں کے ... سے ... سب کے ... دیکھے ہیں ... شرف حاصل کیا ہے۔ یہ سب باتیں خلاف عادت و مزاج اس لئے لکھ گیا کہ اگر آپ حسین صاحب کے متعلق دو لفظوں میں کچھ معلوم کرنا چاہیں تو پورے وثوق سے بے جھجک کہہ سکوں۔

بسیار خوباں دیدہ ام، اما تو چیزے دیگری

اس سے پہلے میں نے بعض دوستوں اور بزرگوں کے ایسے حالات و واقعات لکھے ہیں ... کسی نوع کا ... نہیں رہا تھا مگر میری ہمیشہ کوشش رہی کہ اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھ کر ایک تماشائی اور عام راہ رو کی طرح لکھوں، اپنی ذات کی شرکت ... موضوع پر ... احتیاط ... مقالات ... عبارت ... کرنے کی ... کے ساتھ آنے والی سطروں میں بھی اس جسارت کی اجازت چاہتا ہوں۔

جب ہم لوگ طالب علم تھے، ندوے کی فضا عام عربی مدارس سے بہت مختلف تھی۔ وہاں خوش حال گھرانوں کے لڑکے بھی کافی تعداد میں آتے تھے اور غیر مستطیع طلبہ بھی، مگر کسی انداز سے یہ بات کھلنے نہیں پاتی تھی کہ ان میں مستطیع کون ہے اور غیر مستطیع کون، اور نہ خود طلبہ کو اس کے معلوم کرنے کی کبھی جستجو ہوتی۔ عام طور پر لڑکوں کی نمائش یا شیخی کا ماحول نہ تھا، سب کی ضرورتیں محدود تھیں، کتابیں عاریتاً کتب خانے سے مہیا ہو جاتیں، کھانا مطبخ سے سب کو ایک ہی قسم کا ملتا تھا، ناشتے کا انتظام اپنا اپنا ہوتا۔ اس زمانے میں چائے کا اتنا عام رواج نہ تھا، کبھی کبھار تفریحاً پی جاتی تھی۔ حسین صاحب اس رکھ رکھاؤ سے رہتے تھے کہ وہ سب میں شامل بھی تھے اور سب سے الگ تھلگ بھی۔ کبھی یہ بات ظاہر ہونے نہ دی کہ وہ کسی چیز کے حاجت مند ہیں، حالانکہ ان کی بہت سی اشد ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتی تھیں۔ صرف ایک دو اہل نظر یہ بات جانتے تھے، مگر کوئی کچھ کر نہیں سکتا تھا کیونکہ حسین صاحب کی خودداری کسی قسم کا سلوک گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ انہوں نے اسی طالب علمی کی عمر سے لے کر آخر وقت تک تنگدستیوں سے بھری زندگی گزاری۔ ان کو آسودگی کا دور اور خوش حالی کا زمانہ ملا بھی تو بال بچوں کے جھمیلوں میں پڑ گئے اور ہمیشہ گھر چلانے کی فکر لگی رہی۔

شب چو عقد نماز بربندم
چہ خورد بامداد فرزندم

ان کی فارغ البالی کا سب سے اچھا وقت وہ کہا جا سکتا ہے جب انہیں گھر چلانے کی فکر قدرے دامن گیر رہی ہو۔ لیکن اس سے زیادہ بہرحال کبھی انہیں حاصل نہیں ہوئی، یہ خوش وقتی بھی بخت کی یاوری سے شاید زندگی میں چند بار ہی نصیب ہوئی ہو۔ ان کی زندگی کی مشکلات و مصائب کو محترم عابد صاحب نے ان فصیح و بلیغ دو جملوں میں بیان کر دیا ہے،

"یوں تو کہا جاتا ہے کہ ہم نے جامعہ کی خدمت میں ایثار و قربانی سے کام لیا اور اس سلسلے میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر میرے علم میں حسین حسان صاحب سے زیادہ جسمانی و ذہنی اذیت کسی نے برداشت نہیں کی .... آزادی کی راہ میں ایثار و قربانی کی جامعہ میں تو کیا سارے ملک میں ایسی مثالیں کم ملیں گی۔"
(جامعہ، اگست ۷۲ء)

جامعہ کی عسرت اور تنگی کا حال جن لوگوں کو معلوم ہے اور ایثار و تیاگ کے وہ تابناک نمونے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، وہی ان جملوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

حسین صاحب ندوے میں جب تک رہے ... سے لگے رہے اور وہاں کی تمام دلچسپیوں میں ... رہے ... جانے کے سلسلے ... الاصلاح (طلبہ کی انجمن) ... میں ... ہے۔

نہ معلوم کیوں علامہ شبلی کے بعد ندوے کے مزاج میں اسٹرائک کے جراثیم اس طرح گھس بیٹھے تھے کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کوئی نہ کوئی مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا جس پر اسٹرائک کی جاتی تھی۔ یہ بات دیکھی گئی کہ عام طور پر تعلیم سے گریز کا رجحان رہا ہو ... کی کمی رہی ہو۔ اتفاق سے جب ہی کے اساتذہ بھی تھے ... یہ صورت حال پیدا ہو کر رہتی تھی۔ ہمارے زمانے میں بھی دو اسٹرائکیں ہوئیں جن کے لیڈروں کی صف میں مشہور فاضل سید ریاست علی ندوی، مولوی فضل قدیر، سید حبیب شاہ مرحوم ایڈیٹر عصر جدید بنگال کے پرجوش صاحبزادے ... تمام صاحبان اور راقم الحروف شامل تھے۔ ایک اسٹرائک تو ترک موالات کے سلسلے میں گورنمنٹ کی ایڈ واپس کرانے کے لئے ہوئی تھی اور دوسری اس وقت کے مہتمم شمس العلماء مولانا محمد حفیظ اللہ کے ایک اعلان کے خلاف تھی۔ دونوں میں طلبہ کی بات مانی گئی، ایک میں تو ملک کی سیاسی فضا اور تحریک کا زور بھی مدد رہا، دوسری میں طلبہ نے عجیب فتح لی۔

مولانا محمد حفیظ اللہ مشہور استاذ الاساتذہ اور طلبہ کے بزرگ تھے۔ ان کی شخصیت بہت رعب داب اور سب پر چھائی ہوئی تھی۔ ان کے شاگردوں کے شاگردوں تک کے علماء خود ندوہ کے اساتذہ میں موجود تھے۔ مولانا شبلی نعمانی، مولانا عبدالغفور، والد مولانا عبدالودود جیسے عالم ان کے شاگرد تھے اور ندوے میں درس دیتے تھے۔ مولانا حیدر حسن کا برابری کا معاملہ تھا لیکن مہتمم صاحب سے اختلاف مسلک تھا، باوجود اس کے وہ بھی ان کی تائید کرتے تھے۔ اسٹرائک کے زمانے میں ایک روز نماز فجر کے بعد مہتمم صاحب ... جا رہے تھے، برآمدے میں کچھ طلبہ کھڑے ہوئے تھے جن میں ہم لوگ بھی شامل تھے۔ اتفاق سے بارش ہو رہی تھی، مہتمم صاحب پر غیظ و غضب کی کیفیت طاری ہو رہی تھی، بہرحال میں وہ شائستہ اور پر اثر گفتگو کرتے تھے۔ ہم لوگوں سے جن میں حسین صاحب بھی شامل تھے، مخاطب ہو کر کہنے لگے: "عزیزو! دیکھو جس طرح یہ بارش گھڑی مسلسل ہو رہی ہے اور اس محفوظ جگہ پر ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، ٹھیک اسی طرح تمہارا یہ ہنگامہ ہے، میری تحریر کا ایک حرف بھی نہیں بدل سکتا۔ مجھے ندوے نے جو کرسی دی ہے اس سے میں دستبردار ہونے والا نہیں" اور بھی بہت کچھ فرمایا۔ اس تقریر سے بعض لوگ اسٹرائک سے الگ ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مہتمم صاحب کے آگے اچھے اچھوں کا پتا پانی ہو جاتا تھا، کسی کی مجال نہ تھی کہ اس عالم میں ان سے گفتگو کرے۔ ہم سب باوجود جسارت کے سہمے سہمے رہتے تھے۔ ایسے سخت اور شدید مرحلے میں بھی وہ شخص انسان ہمارے ساتھ تھا اور دلیری سے شریک تھا، لوگوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا کہ یہ ... حسین حسان ہیں۔

اسی زمانے میں حضرت سید صاحب دارالعلوم کے معتمد تعلیمات تھے، وہ اعظم گڈھ سے تشریف لائے اور ... سے معاملہ سلجھایا کہ مہتمم صاحب کی بات بھی رہ گئی، اعلان بھی منسوخ ہو گیا ... طلبہ کا ...

... سید صاحب نے تنہائی میں مجھ سے ... مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا، کیا تم بھی شریک تھے، مہتمم صاحب کا خیال ہے کہ ... بھی ... ہیں۔

کبھی ہم ان سے جب ملتے ہمیں جامعہ کے [illegible] کا احوال پوچھتے تو بڑی شفقت سے فرمایا: عزیز من! وہاں کچھ نہیں رکھا ہے، وقت ضائع کرو گے تعلیم، وہاں تم ہرگز مت جاؤ گے۔ یہ کیسے پاک طینت لوگ اور کتنے فراخ دل بزرگ تھے چھوٹوں کی خردہ گیری کو نظر انداز کر دینا، خطاؤں سے درگزر کرنا ان کا شیوہ تھا۔

حسین صاحب کو بولنے کا یا کسی جلسے میں تقریر کرنے کا شوق نہیں تھا، لیکن لکھنے کا شوق ابتدائی درجوں ہی سے تھا۔ ان کی تحریریں ملک کے معتبر رسالوں میں شائع ہوتی رہیں۔ اسی شوق کا نتیجہ تھا کہ ہم لوگوں نے تعلیم کے بعد ایک بزم شبلی قائم کرنے اور اخبار نکالنے کا منصوبہ بنایا، جس کے ارکان حسین صاحب کے علاوہ (ڈاکٹر) مولوی شکیل عباسی ندوی (برادر خرد عبد العلی عباسی ندوی) اور مولوی عبد الحمید [illegible] ندوی تھے۔ یہ لڑکپن کی تحریک تھی، ان تحریروں میں نہ جانے کتنے گھروندے بنتے ہیں اور اپنے آپ ٹوٹ جاتے ہیں۔ جو نہ جانے وہ ہوئی۔

ندوہ سے چھوٹ کر چند سال بعد جامعہ آیا تو یہاں ہمارے پرانے ساتھی اور مخلص دوست مولانا مسعود انصاری مرحوم استاد تھے اور مولوی حسین حسان صاحب اور مولوی عبد الجلیل ندوی طالب علم تھے۔ مجھے بھی مسعود صاحب کی سعی و سفارش سے درجہ خاص میں داخلہ مل گیا۔ جامعہ کا درجہ خاص ان طلبہ کو انگریزی پڑھانے کے لئے کھولا گیا تھا جو عربی مدارس سے تعلیم پاکر آتے تھے۔ ہمارے زمانے میں اس درجے کو پروفیسر ای جے کیلاٹ، ڈاکٹر ذاکر حسین اور عابد حسین [illegible] پڑھاتے تھے۔ حسین صاحب نے انگریزی میں [illegible] استعداد پیدا کر لی اور مشق و مہارت سے ایسی عبارت ہو گئی کہ انگریزی اخبار خوب اچھی طرح پڑھ لیتے تھے، بچوں کے لئے انگریزی کتابوں سے رواں دواں ترجمہ کر لیتے تھے، جو آج کل کے بی اے کے طلبہ بھی مشکل سے کر پائیں گے۔ میں جامعہ کے مختلف شعبوں میں کام کرتے ہوئے [illegible] کی خدمت پر مامور ہو گیا۔ حسین صاحب [illegible] سے پیام تعلیم، شعبۂ تعلیم بالغان اور پیام تعلیم کے عہدے پر کام کرتے رہے، انھوں نے پیام تعلیم کو جس معیار تک پہنچا دیا اور بچوں کے ادب کی خدمت جس ثبات قدمی کے ساتھ انجام دی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس موقع پر ایک بات کہے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔

ہمارے ملک میں عموماً اور اردو دنیا میں خصوصاً بڑوں کے لئے لکھنے والوں اور شاعروں کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ بچوں کے لئے لکھنے والوں کو نہیں ہے۔ ایک معمولی درجے کے شاعر کی جو توقیر ہوتی ہے اور اسے جو شہرت ملتی ہے وہ شاید ہی بچوں کے لئے لکھنے والے بڑے سے بڑے ادیب کو نصیب ہوتی۔ حسین حسان صاحب بچوں کے ادب کے چوٹی کے لکھنے والوں میں تھے۔ [illegible] کتنوں نے ان کی بدولت لکھنا سیکھا اور ان سے زیادہ شہرت [illegible] مصنف [illegible] کی قدر و قیمت [illegible] ایک معروف مشاعرہ [illegible] کتابوں [illegible] آج کے بچے کل کے معمار قوم ہونگے [illegible] استقبال [illegible] توقعات انھیں سے وابستہ [illegible] تو

اب تک جو جگہ انھیں اپنے درجے کے مطابق سماج میں جگہ پانی چاہئے تھی وہ لوگوں کے دلوں میں اس کی وہ اہمیت ہے جو عام طور پر ظاہر کی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج بچوں کی خدمت کرنے والے ادیب اور استاد بھی اپنے صحیح مقام اور عظمت سے محروم ہیں۔ نونہالوں کے چمن کی جیسی کچھ آبیاری ہو رہی ہے اسے دیکھتے ہوئے،

"پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ"

پر عمل پیرا ہونا بڑا صبر آزما کام ہے۔ یہ درد ناک داستان بہت طویل ہے، مناسب ہے کہ اسے یہیں ختم کر دیا جائے۔

اب تک حسین حسان مرحوم کی زندگی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے، اس سے زیادہ تر یہی اندازہ ہوگا کہ ان کی زندگی بہت فکر [illegible] ایسے شخص نے جانے کس تنگی اور پراگندگی کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی۔ اس میں شبہ نہیں کہ واقعی ان کی زندگی اس سے بھی زیادہ سخت و دشوار تھی جتنی بتائی گئی ہے، مگر اس مرد مجاہد کے دامن صبر و شکر پر بے تابی یا اضطراب کا ایک ہلکا سا چھینٹا بھی نہیں پڑ پایا۔ ان کے لب کبھی شکوہ و شکایت سے آشنا نہیں ہوئے۔ اس [illegible] خود داری سے زندگی بسر کر دی کہ کبھی کسی کی ایک پائی کا قرض دار نہ ہوا۔ جب کسی سے ملتے ہنستے ہوئے اور خوش دلی سے، ایسا لگتا تھا کہ ان سے زیادہ بے فکر اور آسودہ خاطر کوئی نہیں ہے۔ جامعہ نگر میں دلی کے ندویوں کی ایک برادری قائم ہے جس کے جلسے تقریباً ہر ماہ ہوتے ہیں اور کھانے پینے کا خاص اہتمام ہوتا ہے، اس کا ماہانہ چندہ اتنا ہے کہ حسین صاحب کی سی آمدنی والے پر بار ہو سکتا ہو، مگر جس طرح وہ دوسرے سوشل اور علمی و ادبی جلسوں میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے اسی طرح اس میں بھی پابندی سے شریک ہوتے اور اگرچہ منتظمین صاحبان ان کا لحاظ رکھتے تھے، مگر وہ اپنے حصہ رسدی کا چندہ پابندی سے دیتے تھے۔

یہ بھی ان کے کردار کی عجیب شان تھی کہ وہ کبھی زیادہ دیر تک ملول نہیں رہتے تھے۔ ذاتی حالات کتنے ہی ناگفتہ بہ ہوں، اندر دل پر جو بھی گزرتی ہو، وہ ہر حال میں خوش و خرم نظر آتے اور جب بھی موقع ہوتا فقرے بازی سے نہیں چوکتے تھے۔ ایسی پراگندہ حالی میں اتنی خوش دلی بڑے حوصلے، ہمت اور ضبط داری کی بات ہے۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

وہ جو سیاسی یا مذہبی مسلک رکھتے تھے برملا ظاہر کرتے تھے، اس کی کسی جانب سے بھی مخالفت کو نظر انداز کرتے، خوب ڈٹ کر مقابلہ کرتے، اگر کوئی ایسا شخص ہوتا جس سے ذرا بھی بے تکلفی ہے تو اسے خوب ستاتے اور بعض اوقات بے نقط سنانے سے بھی نہیں باز آتے تھے۔ وہ عملی سیاسی آدمی نہ تھے مگر تحریک ترک موالات کے زمانے میں ایک ایسا نازک وقت آیا کہ لوگوں کی گرفتاری اور سختی کی وجہ سے کانگریس کے کارکنوں میں [illegible] کا اندیشہ پیدا ہو گیا، اس وقت میں حسین حسان صاحب کام آئے۔ اس وقت کے حکام نے بہت سخت اختیار کی تھی، جس پر [illegible] کانگریس سے ذرا بھی لگاؤ کا شبہ پیدا ہوتا [illegible] یہاں تک خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ ذاکر صاحب بہت فکرمند [illegible] مجھ سے کہنے لگے کہ [illegible]

خلاف قانون قرار دیدی جائیگی [illegible] اس وقت کیا کریں گے؟ میں نے عرض کیا جو حضرت کریں گے وہی جامعہ کے سب لوگ کریں گے۔ کہنے لگے جامعہ تعلیمی ادارہ بحیثیت ادارہ عملی سیاست سے دور رہا ہے اور رہے گا، یہ اور بات ہے کہ افراد کو ذاتی طور پر اپنے پسندیدہ عمل کا اختیار ہے۔ اگر ایسی کوئی حرکت گورنمنٹ کی طرف سے ہوگی تو ہماری خود داری کا تقاضا یہ ہوگا کہ ہم تو یہاں بیٹھے بیٹھے جیل جائیں گے۔ اسکی نوبت آئی نہیں۔ اس نازک زمانے میں جامعہ کے ایک طالب علم نے سائکلو اسٹائل پریس پر کانگریس کا بلیٹن شائع کرنے کا ارادہ کیا اور بلیٹن لکھنے کے لئے حسین صاحب سے بات کی، وہ بغیر پیسہ و پیشہ کے تیار ہو گئے۔ یہ دونوں حضرات مل کر مقررہ وقت پر بلیٹن تیار کر دیتے تھے، تقریباً ہر دوسرے روز جگہ بدل دیتے تھے۔ دلی کی خفیہ پولیس اور سرکاری عملہ بہت پریشان تھا۔ انھوں نے دلی کا کونا کونا چھان مارا مگر یہ دونوں ہاتھ نہ آئے۔ ساری دلی میں سی آئی ڈی کا جال پھیلا دیا گیا، مگر ایک منظم حکومت سے دو متنفس کہاں تک مقابلہ کرتے، ایک روز پکڑے گئے۔ چند دن پولیس کی حوالات میں رہے۔ [illegible] کی مثل مشہور ہے، پولیس نے سمجھا کہ حسین حسان تو ہیں کمزور لاغر اور ضعیف آدمی، یہ جلد قبول کر لیں گے اور مطلوبہ معلومات دیدیں گے، انھیں کیا معلوم [illegible] ان کے سامنے [illegible] پولیس نے اپنے معروف طریقوں پر سب نسخے آزمائے اور جب ان وحشی درندوں کے ترکش میں ظلم و ستم کا کوئی تیر باقی نہ رہا تو اس شیر دل انسان کے آہنی عزم سے شکست کھا کر قانونی ضابطے کے مطابق مجبوراً جیل کی حوالات سے [illegible] تو اس [illegible] کے عذاب سے نجات ملی۔ چند ہفتے جیل میں رکھنے کے بعد عدم ثبوت کی وجہ سے انھیں چھوڑ دینا پڑا۔ اس وقت یہ بات شہرت پا گئی کہ حسین حسان [illegible] جامعہ [illegible] میں کام کرتے تھے، پولیس انھیں پکڑ لے گئی اور جیل بھیج دئے گئے۔ حالانکہ جامعہ [illegible] سے کبھی ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

اگرچہ ان کی حوالات اور جیل کی مدت تھوڑی ہی تھی، یہ چند ہفتوں کی قید و بند کا دور مصائب کے اعتبار سے برسوں اور برسوں کی بامشقت سزاؤں پر بھاری تھی۔ وقت گزر گیا، ضابطے کے جو [illegible] ان کے حصے میں نہیں آئے، اس لئے [illegible] انھیں کوئی چیز نہ مل سکا، جس دنیا میں ضابطوں اور رکیت کے پیمانوں سے خدمات ناپی جاتی ہوں وہاں کیفیت اور خلوص کا انکا اندازہ کیونکر ممکن ہے۔

حسین صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں، اب وہ اپنی قدردانی یا ناقدری سے بے نیاز ہیں، یوں بھی انکی پوری زندگی میں بے نیازی کی شان نمایاں رہی۔ ان کی خدمات کے حقوق نہ صرف مختلف قومی اداروں ندوہ، جامعہ، مکتبہ پر ہیں بلکہ ہماری قومی حکومت پر ان سب سے زیادہ [illegible] ہے کہ ایسے لوگوں کے کاموں کے [illegible] نظر رکھے [illegible] اور [illegible] پر قائم [illegible] ہے۔ ملک، قوم اور سماج کا [illegible] نونہالوں اور [illegible] کی دست گیری [illegible] کا [illegible] ہے جس کی [illegible] انتظام حکومت کے لئے باعث [illegible] اعزاز [illegible] ہے !!

تیسری قسط

سیریا کے ساحلی مقامات کا ایک یادگار سفر

از: شیخ عبد الوہاب بن ... و قاضی محمد فاروق بھٹکلی

... یاد کی کوئی وجہ نہیں ہے ملت اسلامیہ کے اندر الحمد للہ بھرپور صلاحیتیں اور روایات موجود ہیں جہاں سے صحیح طور پر کام لینے والے علماء اور داعی و مصلح اور مجاہد سے ملت میں نئی روح پھونک [illegible] وں کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہندوستانی شاعر [illegible] نے فرمایا ہے۔

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

آج قوت کو دور کرنے کے لئے اخلاص کے ساتھ کام کرنے کے لئے اور ملت کو ... اور بیماریوں کو دور کرنے کے لئے اسی محبت کی ضرورت ہے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں مسلمانوں کو ہمیشہ خطرات اور آزمائشوں سے گذرنا پڑا ہے لیکن علماء کی صحیح قیادت اور مسلمانوں کی دینی بیداری و شعور کے نتیجہ میں یہ ملت ہند جیسے کفرستان میں ان خطرات کا مقابلہ کرنے اور آزمائشوں سے گذرنے میں کامیاب رہی ہے۔ ہندوستان میں سواد ملت کی نگہبانی کا جو بیڑا ... حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے جو اکبری فتنے کے مقابل میں کھڑے ہوگئے صحابی جد وجہد قربانی سے دین الٰہی ... نے ختم کردیا۔ یہ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہم ہندوستان کے تخت پر ایک متقی و دیندار حاکم اورنگ زیب کو پاتے ہیں جو مسلسل پچاس سال تک اسلام کے ساتھ ہندوستان میں حکومت کرتے ہیں اور فتاویٰ عالمگیری کی تالیف جیسے اہم کام میں معاون و نگہبان ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری بڑی قربانی ملت کی حفاظت میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی ذات ہے جو ایک فکری و علمی انقلاب کا کام کرتے ہیں اور ملت اسلامیہ میں ایک نئی روح پھونکتے ہیں انھی کی کوششوں کے نتیجہ میں ہندوستان میں علماء و مدارس دین کے دفاع میں لگ جاتے ہیں اور ملت انگریزوں کے لائے ہوئے فتنوں سے بڑی حد تک محفوظ ہوتی ہے۔ یہ شاندار یادگار مجلس تقریباً رات کے گیارہ بجے تک قائم رہی اس کے بعد ہم لوگ اپنے مستقر پر واپس ہوئے۔

دوسرے دن مغرب کی نماز بانیاس کے ساحل پر واقع ... ادا کی گئی ... سے ... ہوئے حضرات شریک جماعت ہوئے بھائی ... نے ... سے خطاب کیا اور اسلام کی تعلیمات پر ... کی ... بتایا کہ اسلام مکمل دین ہے اور اس کی بنیاد ... ظاہر ہے اسلام نے ہر ایک کو اس کا حق عطا کیا ہے۔ ہماری دنیا و آخرت کی نجات اسی دین کے اختیار کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے میں ہے ... بھائی ... کی تقریر سے متاثر ہو کر ... شریک ہونے لگے ... مسئلہ ... حاصل کرتے دوسرے ... بانیاس سے روانہ ہوئے اور ... سے قبل ہی طرطوس پہنچ گئے۔

طرطوس شام کا ایک ... اور خوبصورت شہر ہے اپنے محل وقوع اور بندرگاہ کی بناوٹ کے لحاظ سے بمبئی کی چوپاٹی کے مشابہ نظر آتی ہے۔ یہاں ہمارا قیام جامع منصور میں ہوا جو ساحل سے متصل ہی ہے۔ ظہر کی نماز پڑھی گئی اور یہاں کے امام اور نوجوانوں سے تعارف حاصل کیا گیا۔ ... کھانا کھایا گیا اور کچھ دیر آرام کی۔ عصر کی نماز پڑھ کر طرطوس سے جزیرہ "ارواد" کو روانہ ہوئے جو یہاں سے تین میل کے فاصلے پر بالکل وسط سمندر میں ایک خوبصورت چھوٹا جزیرہ ہے۔ ہم لوگ اس کی سڑکوں اور بازاروں میں کچھ دیر گھومتے رہے ہمیں اندازہ ہوا کہ یہاں اسلامی شعائر اور حجاب وغیرہ کی کافی پابندی ہے۔ یہاں کل ۳ مسجدیں ہیں۔ ہم لوگوں نے مغرب کی نماز ساحل سے قریب کی مسجد میں پڑھی نماز کے فوراً بعد بھائی عبد ... صاحب ندوی نے کچھ دیر کے لئے حاضرین سے خطاب کیا انہیں والدین کو اپنے بچوں کی دینی تربیت کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ والدین بچوں کے بناؤ اور بگاڑ کے ذمہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں ان سے اس کے متعلق دریافت کرے گا پھر موصوف ترغیب و ترہیب کرتے ہوئے بعض حدیثیں سنائیں۔ تمام لوگوں نے ان باتوں کا اچھا اثر قبول کیا۔ اس کے بعد ہم لوگ بذریعہ لانچ طرطوس واپس ہوئے۔

عشاء کی نماز طرطوس کی جامع منصور میں پڑھی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا تو مسجد میں کئی نوجوان طلباء اور ملازم پیشہ حضرات جمع ہوگئے اور ہم سے کچھ سننا چاہتے ہیں۔ بھائی عبد الوہاب نے ... ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ فتنوں کے مقابلہ کے لئے صبر و جہد اور ایمانی ہمت و قوت سے کام لینا اور دین پر ڈٹے رہنا بہت ضروری ہے۔ ایک مومن آدمی ظلم و جبر اور تشدد سے متاثر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اسلامی نظام پر باقی رہتا ہے خواہ اسکے راستے میں کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ آجائیں تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اسکے لئے بہترین مثال حضور ﷺ کی زندگی ہے کہ آپ تن تنہا دعوت کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ شروع شروع میں آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہیں تھا لیکن صبر و ثبات اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ایک جاہلی نظام کو اسلامی نظام سے بدل دیتے ہیں۔ اور اس راستے میں اپنی قوم کی جانب سے تمام مصائب و مصیبتوں کو جھیلتے ہیں۔ جاہلی قوم نے بھی آپ کو کبھی خیانت اور کذب بیانی سے متہم نہیں کیا تھا بلکہ آپ کو صادق و امین کا لقب دیا تھا لیکن جونہی دعوت لے کر سامنے آئے تو قوم کے افراد نے آپ کو کذاب، ساحر، مجنون وغیرہ کا خطاب دیا اور کئی ترغیبات کے ذریعہ سے آپ کو اپنی دعوت سے روکنا چاہا، مال پیش کیا، عرب کا بادشاہ بنانا منظور کیا ... منظور کیا لیکن آپ نے ان تمام پیشکشوں کو ٹھکرادیا اور اپنی دعوت میں برابر لگے رہے اور راستے کی تمام تکلیفوں و رکاوٹوں پر صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ ... دین کی ... اور ... کیا ... آج ... کے ... میں لگ جانا ہو گا ... ہماری زندگی ... کی نجات ہے۔ یہ درس تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا اور ... شب کو دوران ... ہوگئے اور صبح سویرے اللہ کے ذکر میں مشغول ہوگئے۔

دوسرے دن صبح دو شنبہ کو بعد نماز فجر کچھ دیر آرام کیا گیا اور پھر طرطوس سے روانہ ہونے کی تیاری شروع ہوگئی یہاں کے ایک صاحب جن کا نام محمد واثق ہے اور طرطوس میں فوجی خدمت انجام دے رہے ہیں ہم لوگوں سے مزید قیام کرنے پر اصرار کیا لیکن ہم لوگوں نے معذرت کی اور صبح ۹ بجے کے قریب طرطوس سے روانہ ہوئے۔ ہماری اگلی منزل حمص تھی جہاں حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ مدفون ہیں۔ طرطوس سے جو سڑک حمص تک جاتی ہے وہ کافی دور تک ساحل سے گذرتی ہے۔ سڑک کے ایک طرف ... سمندر ... دکھائی دیتا ہے اور دوسری جانب ... سلسلہ ... منظر بہت ہی خوبصورت اور دلفریب نظر آتا ہے۔ ہم لوگ کچھ دیر ... ساحل کے ایک کنارے ٹھہر گئے اور ناشتہ کیا ... سفر ... ہوئے۔ مسلسل ایک گھنٹہ چلنے کے بعد سڑک ... ساحلی نظروں سے اوجھل ہونے لگتا ہے ... متوسط ... ہمیں ... سلام ... گویا اقبال کی زبان میں بھی یہ پیغام دے رہا تھا ہے۔

کاٹ کر ... طوفان سے کیا
بحر تو ساحل بھی تو کشتی بھی تو طوفان بھی تو

ہم لوگ بارہ بجے کے قریب ... لبنان کی سرزمین سے ... تقریباً ۲ لاکھ ... مشہور تاریخی شہر حمص پہنچے اور سیدھے سیدنا خالد بن ولیدؓ کے مقبرے پر جا کر اترے۔ یہ ایک بہت بڑی مسجد ہے جو جامع خالد بن ولید کہلاتی ہے اور بالکل وسط جامع سیدنا خالد سیف اللہ المسلول کا مقبرہ ہے۔ ہم لوگ جوں ہی مسجد میں داخل ہوکر مقبرے پر حاضری دی تو ہم پر ایک ہیبت طاری ہوگئی اور کیوں نہ ہو یہاں وہ ہستی آرام فرما رہی ہے جو اعدائے اسلام کے مقابلہ میں اللہ کی تلوار تھی اور جن کی بہادری شجاعت اور فاتحانہ انداز کے قصے چار دانگ عالم آج تک مشہور ہیں۔ ہم با ادب خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھی اور کچھ دیر اللہ سے دعا کرتے رہے کہ ملت اسلامیہ کو آج خالد جیسے سپہ سالار کی ضرورت ہے۔ اعدائے اسلام پر وہی غالب آسکتا ہے جس کے اندر سیدنا خالدؓ جیسی روح ہو۔ اے اللہ تجھ سے کوئی بعید نہیں ہے کہ تو آج ایک اور خالد پیدا کردے۔ ہم لوگ دعا سے فارغ ہوکر نہایت حسرت کے ساتھ باہر آنے لگے تو گویا ایسا محسوس ہونے لگا کہ سیدنا خالدؓ کی روح اقبال کے الفاظ میں ہم سے یوں مخاطب ہے۔ (شعر میں معمولی تغیر کے ساتھ) ۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی قیادت کا

ظہر کی نماز حمص ہی میں پڑھنے کے بعد ہم لوگ اپنی اگلی منزل حماۃ کی جانب روانہ ہوئے اور ... کے قریب ... پہنچے ... اور کچھ دیر شہر کی سیر کرنے لگے۔ ... یہاں ... کے ... سے ملنے گئے لیکن ملاقات نہ ہوسکی۔ ... عصر سے کچھ دیر قبل ... روانہ ہوکر ... عشاء کی نماز کے وقت ... پہنچ گئے۔ ... سفر ... میل ... مسلسل ... روز تک جاری ... کے ساتھ ... ہوئے ...

سعید احمد اکبر آبادی متعلم ندوہ

مزدکیت اور اشتراکیت

علامہ اقبالؒ اپنی مشہور اور طویل نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں ابلیس کی زبانی یہ فرماتے ہیں ؎

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مو

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

مفکر مشرق علامہ اقبالؒ کے ان اشعار سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عصر حاضر کی اشتراکیت زمانۂ قدیم کی مزدکیت کا گویا جدید ایڈیشن ہے۔ جہاں مزدکیت کیا تھی؟ اس کا نظریہ اور فلسفہ کیا تھا؟ زیر نظر مضمون ان ہی سوالات کے جواب کی ایک مختصر کوشش ہے۔

اسلام سے پہلے فارس میں جو مذہب رائج تھے انہیں میں مزدکی مذہب بھی شامل ہے میرا مقصد تحریر اسی مذہب پر کچھ روشنی ڈالنا ہے نیز اس کے اصولوں اور موجودہ دور کی اشتراکیت کا موازنہ بھی کرنا ہے کہ کہاں ان دونوں مذاہب فکر کے بنیادی سرچشمے ایک ہیں۔ اور کہاں تک ان دونوں فرقوں کے معتقدین میں ہم آہنگی و ہم خیالی پائی جاتی ہے۔ اور کیا بعض صحابہ کرام بھی اس نظریہ سے متاثر تھے۔

مزدک نامی شخص سنہ ۴۸۷ء میں فارس کے علاقے میں نمودار ہوا اور اس مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اس نے دین کی اساس نظریۂ مساوات پر رکھی تھی اس نے عوام کی تخلیق نور و ظلمت سے مان جس میں وہ اپنے دور کے عام دینوں کے عقائد کے موافق تھا۔

جن چیزوں سے اس کے مذہب کے دوسرے مذہب سے ممتاز ہونے کا پتہ چلتا ہے ان میں اشتراکی تعلیم ہے جو دنیا کی سب سے پہلی اشتراکی دعوت تھی۔ اب ہم اس کی تعلیمات کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ تمام انسان پیدائش میں برابر ہیں تو چاہئے کہ معیشت میں بھی برابر ہوں۔ اگر فرق ہے تو اسی وجہ سے کہ مال اور عورتوں کی تقسیم میں مساوات قائم کی جائے۔

۲۔ شہرستانی لکھتے ہیں کہ مزدک لوگوں کو باہم مخالفت، دشمنی اور قتل و قتال سے روکتا تھا اور چونکہ عام طور پر انہی چیزوں کا سبب مال اور عورتیں ہوا کرتی ہیں اس لئے اس نے ان کو حلال کر دیا اور کہا کہ ان دونوں کے لئے سب لوگ مال اور اسباب کی طرح ایک دوسرے کے لئے مباح قرار دے دیا جس میں کسی کو حق ملکیت قائم نہیں ہو سکتا۔ اس طرح لوگ اس طریقے سے شریک ہو گئے جس طرح کہ پانی، آگ اور خودساختہ سبزیوں میں۔

۳۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ مزدک اور اس کے پیروؤں کا لوگوں کے رزق کے متعلق یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رزق زمین میں اس لئے پیدا کیا تاکہ اس کو اپنے بندوں کے درمیان برابری کے ساتھ تقسیم کرے، لیکن لوگوں نے اس سلسلہ میں باہم ایک دوسرے پر ظلم کیا۔

چنانچہ اس کو یہ خیال ہوا کہ وہ مالداروں سے مال و اسباب چھین لیں اور اسے غریبوں میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ اعلان کر دیا کہ جس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد مال ہو تو اس کے اس سے زیادہ حقدار دوسرے لوگ ہیں۔

چنانچہ غریب طبقہ اس موقع کو غنیمت جان کر اس تحریک کے علمبرداروں کے شانہ بشانہ ہو گیا اور یہ تحریک ایک مستحکم و منظم تحریک بن گئی۔ یہ لوگ گھروں میں گھس کر لوگوں کے مال و اسباب اور ان کی عورتوں پر زبردستی قابض ہو جاتے جس کی بنا پر سرمایہ دار عوام کو سخت دن دیکھنے پڑتے۔

۴۔ انہوں نے قتل ایک دینی چیز اور خدمت خلق کی نیت سے کیا جس سے ان کی ثواب کثیر اور جزائے خیر کی امیدیں وابستہ تھیں۔

مزدک کی اشتراکی تعلیمات پڑھ کر موجودہ دور کی اشتراکیت سے کس قدر مشابہت رکھتی ہیں مگر ان دونوں اشتراکیت میں فرق ہے، کیونکہ موجودہ دور کی اشتراکیت میں دینی و مذہبی عنصر کا کوئی بھی عنصر نہیں پایا جاتا ہے برخلاف مزدکی اشتراکیت کے کہ اس میں دینی رنگ اور مذہبی تعلیمات کا ایک عنصر پایا جاتا ہے جیسا کہ قناعت اور زہد عن الدنیا جیسی تعلیمات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔

موجودہ دور کے بعض اشتراکیت پسند حضرت ابوذر غفاری سے منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں لیکن اس کے بعد تو خود صحابہ کرامؓ بھی ان کے قائل ہو چکے ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مال کے جمع کرنے کے سلسلہ میں بہت متشدد اور سخت تھے حتیٰ کہ بعض جلیل القدر صحابہ کرام پر انہوں نے اس سلسلہ میں نکتہ چینی اور تنقیدیں کیں اور انہوں نے فقراء کے حق کو اغنیاء پر واجب کر دیا جس کی وجہ سے لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کی تو آپ نے ان کو مقام ربذہ میں بھیج دیا۔

لیکن ان کا نظریہ اشتراکی نظریہ کے بالکل خلاف اگر جواب اثبات میں ہو تو گویا تمام صحابہؓ مع خلیفۃ المسلمین خلاف شریعت پر عامل تھے اور تنہا ابوذر غفاری دین متین پر عمل پیرا تھے۔ یہ عقل و دانش جانے کیسے!

اب سوال یہ ہے کہ پھر آخر یہ نظریہ حضرت ابوذر تک کہاں سے پہونچا؟ چنانچہ علامہ طبری اس سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا ملقب بہ ابن سوداء جو کہ مزدکی نظریہ سے کافی حد تک متاثر تھا۔ اسی نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو اس تحریک پر آمادہ کیا چنانچہ انہوں نے خالص اسلامی نیت اور زہد و تقویٰ کے رو سے اس دعوت پر لبیک کہا اور ایک اسلامی نظریہ سمجھ کر سرمایہ داروں کو بہت گرم جوشی سے ختم کرنے کی کوشش کی۔

مزدکی مذہب کے بارے میں مذکورہ تفصیل سے اسلام کے استحکام کا کس قدر پتہ چلتا ہے کہ اس نے صرف بت پرستی اور یہودیت و نصرانیت کا ہی نہیں بلکہ ... میں اشتراکیت و شیوعیت جیسے مذاہب کا خاتمہ کر چکا ہے اور تب ایک نظام حیات بنکر ہمارے سامنے رونما ہوا ہے جس نے تمام انسانی حقوق و مراتب کو برقرار رکھا ہے اور ہر طبقہ کی مکمل رعایت و حمایت کا ضامن ہوا ہے جس نے مرد اور زن کو بھی برقرار رکھا ہے اور عورت کے تمام حقوق کی بھی رعایت کی ہے، روحانیت کو بھی جگہ دی ہے اور مادیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اسی دین فطرت کے آئین و اصول کا آج پوری دنیا کو انتظار ہے۔!!

بقیہ ۱۱ صفحہ: تاریخ صحت میں امام زہری کا مقام

ابو بکر بن حزم نے بہت تھوڑی سی احادیث جمع کی تھیں۔ اصل میں تدوین کا کام امام زہری نے انجام دیا۔ حافظ ابن حجر نے الفتح میں فرمایا کہ "جس نے علم کو مدون کیا وہ ابن شہاب زہری ہیں۔ انہوں نے یہ کام حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے کیا۔ ابو نعیم نے محمد بن حسن کے حوالہ سے حضرت امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "جس نے سب سے پہلے علم کو مدون کیا وہ امام زہری ہیں" ابن عساکر کی کتاب میں بھی تدوین کی فضیلت کو امام زہری کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ عبدالبر نے جامع بیان العلم میں عبدالعزیز بن محمد دراوردی کی سند سے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے علم حدیث کو سب سے پہلے مدون کیا وہ امام زہری ہیں۔ اس طرح یہ حقیقت پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ تدوین احادیث کی اولیت کی فضیلت حضرت امام زہری کو حاصل ہے ان کے بعد علماء نے ان کی تقلید کی اور احادیث کی جمع و ترتیب کرنے لگے۔

۲۔ امام زہری کی عظمت یہ ہے کہ اگر نہ ہوتے تو بہت سی احادیث معدوم ہو جاتیں۔ مثلاً امام لیث سے روایت کی ہے کہ یحییٰ بن عبدالرحمن بن حنبل نے ان سے کہا کہ اے ابو الحارث اگر ابن شہاب زہری نہ ہوتے تو سنت میں بہت کچھ ضائع ہو جاتا۔ یحییٰ نے کہا کہ اگر امام زہری نہ ہوتے تو سنت کا بڑا حصہ ناپید ہو جاتا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الایمان وغیرہ میں روایت کی ہے کہ امام زہری ۹۰ احادیث ایسی روایت کرتے ہیں کہ جن میں ان کا کوئی شریک نہیں اور اعلیٰ سندیں بھی نہایت عمدہ ہیں۔

۳۔ امام زہری پہلے عظیم عالم اور محدث ہیں جنہوں نے روایت کرتے وقت اسناد کی جانب توجہ کی اور لوگوں کو اس جانب متوجہ کیا۔ ان سے قبل لوگ اسناد کے بیان کا اہتمام نہ کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا کہ سب سے پہلے حدیث میں سند داخل کی وہ ابن شہاب زہری ہیں۔

غالباً انہوں نے سند کا طریقہ شام میں رائج کیا جیسا کہ ابن عساکر نے ولید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ امام زہری نے فرمایا کہ "اے شام کیا بات ہے کہ میں تمہاری احادیث میں کوئی لگام نہیں پاتا" اسی دن سے ہمارے ساتھیوں نے اسانید بیان کرنے کے طریقہ کو اختیار کر لیا۔!!

ندوۃ العلماء کے مبلغ ... اپنے نام، تاریخ اور مقام پیدائش، ندوہ میں مدت قیام نیز تعلیم کی تفصیل، اپنی علمی، دینی، سماجی اور سیاسی خدمات، موجودہ مشغولیات اور مستقل پتہ سے مطلع فرمائیے۔
(ایڈیٹر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳ ندوہ لکھنؤ)

محمود الزماں ... ایم اے

آسٹریلیا میں مسلمانوں کی جدّوجہد

آسٹریلیا دنیا کے براعظموں میں سے ایک ہے اور بحر اوقیانوس کا سب سے بڑا جزیرہ ہے رقبہ ۰۰۰،۷۰۰،۷ کیلومیٹر مربع ہے آبادی ۰۰۰،۰۰،۱۴،۱۲ ہے طرز حکومت جمہوری ہے اور دولت مشترکہ کا رکن ہے دار السلطنت کینبرا ہے مشہور اور بڑے شہروں میں ملبورن سڈنی اور [illegible] ہے۔ معدنیات میں چاندی، پیتل، لوہا، کوئلہ، سونا، سیسہ اور قلعی ہے اس کے علاوہ دوسری اشیاء بھی کافی مقدار میں پائی جاتی ہیں، اون، مسکہ، گوشت، غلہ اور بکری دنیا میں سب سے اچھی ہوتی ہیں۔

آسٹریلیا کی سرزمین اسلام کے لئے زرخیز ہے اسکی تاریخ واقعات وحادثات سے بھری ہوئی ہے اور ایسے لوگوں کے کارناموں سے جنھوں نے اس ملک میں دین حنیف کو روشناس کرایا اور اس دور دراز براعظم میں اسلام پھیلانے کا شرف حاصل ہوا۔

مسلمانوں کی آمد:

مسلمان اس براعظم میں تقریباً ڈیڑھ صدی قبل آئے جب کہ ہجرت کے لئے حالات سازگار نہیں تھے اپنے ساتھ دینی عقیدہ لائے اور کچھ [illegible] میں آسٹریلیا کے مختلف علاقے، [illegible] ڈارون اور [illegible] سے سڈنی تک پھیلے [illegible] شمال سے وسط تک آسٹریلیا تک آبادیاں نظر آنے لگیں ہجرت کا سلسلہ [illegible] جنگ عظیم تک جاری رہا پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد ہجرت میں تیزی آگئی اور آج تک جاری ہے۔

مسلمانوں نے اس براعظم کو زندگی کے لئے بہت سازگار پایا بعض نے مستقل سکونت اختیار کر لی کیونکہ آسٹریلوی عورتوں سے شادی کر لی تھی اور بعض نے آسٹریلیا میں سکونت کو ترجیح دیا [illegible] مسلمانوں نے اس براعظم میں صرف قدر کفاف اور [illegible] زندگی گذارنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک غیر مسلم معاشرہ میں کسی طرح زندگی گذاریں [illegible] اولادوں کا مستقبل کسی طرح روشن رہے ان کی تعلیم و تربیت کسی طرح کریں اور اسلام دشمن نظریات کے مقابلہ کے لئے طریق کار کیا ہو جیسے مشکل مسئلوں کے متعلق بھی سوچا اور قدم اٹھائے۔

مسلمانوں نے مل جل کر اپنے معاملات پر غور کیا [illegible] اسلامی شعائر کی حفاظت کے لئے [illegible] بچوں کا مستقبل روشن رکھنے کے لئے بھی غور کیا [illegible] کے لئے مسجد [illegible] تعلیم کے لئے مدرسے قائم کئے اور "اسلامی دعوت" مرکز اسلامی کی ایک عمارت بنائی، عوام سے چندہ وصول کیا اور اس عظیم منصوبہ کے لئے زمین خرید لیا۔ اس وقت آسٹریلیا کے ہر شہر میں اسلامی سنٹر ہے، مسجد ہے، مدرسے ہیں اور قبرستان کے لئے سرکاری حکام اور اداروں سے ربط قائم کیا اور ہر شہر میں جہاں مسلمان ہیں قبرستان کے لئے زمین حاصل کر لیا، اور اس طرح مسلمانوں کے لئے ہر شہر میں قبرستان ہے۔

اس وقت آسٹریلیا میں مسلمان ۲ لاکھ ہیں ان میں بعض کو آسٹریلیا کی شہریت حاصل ہے اور بعض اپنی پرانی شہریت ہی پر قائم ہیں لیکن اکثریت کا واپس جانے کا ارادہ نہیں ہے آسٹریلیا کے مسلمان مختلف قومیتوں کے مالک ہیں یوگوسلاویہ، البانیہ، ترکی اور مختلف عرب ممالک ہندوستان اور پاکستان اور دوسرے ایشیائی ممالک سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں۔

سڈنی: یہ شہر آسٹریلیا کے بڑے شہروں میں سے ہے، شکل وصورت، معیشت، وضع قطع [illegible] انجینئرنگ کے نادر نمونے گھروں کا طرز تعمیر کے لحاظ سے ایک عجوبہ ہے سڈنی اور ملبورن کا سمندری پورٹ دنیا کے سمندری پورٹوں میں ہے یہ شہر ساحل کے طول میں ۵۰ کیلومیٹر ہے اور چوڑائی میں ۵ کیلومیٹر ہے۔

آسٹریلیا کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں ہے دو صدی قبل آسٹریلیا کو دریافت کیا گیا تھا۔ اس لئے آسٹریلیا اپنی پرانی تاریخ کی حفاظت ہمیشہ کرتا ہے ہر شہر میں میوزیم قائم کیا گیا ہے اور پرانی طرز تعمیر اور عمارتوں کی حفاظت کیجا رہی ہے، آثار قدیمہ اور تاریخی جگہوں کو سیاح کے لئے جاذب نظر کیا گیا ہے آسٹریلوی قوم کی گذشتہ صدی کی زندگی قابل توجہ ہے جبکہ سڈنی شہر کی آبادی چند ہزار سے زائد نہیں تھی میوزیم میں ہر تاریخی چیز محفوظ کی گئی ہے جس میں قدیم جنگی سامان بندوق، تلوار اور ڈھالیں ہیں۔

سڈنی شہر کی رونق اور شان اس لوہے کے پل سے اور زیادہ دوبالا ہو جاتی ہے جو قریب جوار کے علاقے کو سمندر کے حائل ہونے کے باوجود منسلک کرتا ہے یہ پل تین میل لمبا اور [illegible] اس کے نیچے سے جہاز گذر جاتے ہیں اور اوپر بیک وقت پانچ کاریں گذر سکتی ہیں سڈنی شہر کو اس پل کی وجہ سے ایسی شہرت حاصل ہے جس طرح پیرس ایفل ٹاور کی وجہ سے مشہور ہے۔

آسٹریلیا میں مختلف اسلامی تنظیمیں اپنے محدود حلقے میں کام کرتی ہیں۔ صرف سڈنی میں تین بڑی تنظیمیں ہیں۔

۱۔ جمعیۃ رابطۃ المسلمین
۲۔ جماعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ
۳۔ الجمعیۃ الاسلامیۃ

اس کے علاوہ نوجوانوں کی مختلف تنظیمیں ہیں اور ہر تنظیم تعلیم و تربیت کے لئے اپنا ترجمان شائع کرتی ہے تاکہ عوام دینی امور اور معاملات اور مذہبی خیالات سے واقف رہیں، جمعیۃ رابطۃ المسلمین کے ترجمان کا نام "المنبر" ہے اور جماعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ کے ترجمان کا نام "الدعوۃ" ہے اور الجمعیۃ الاسلامیۃ کے ترجمان کا نام "الایمان" ہے۔

جماعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ:

اس جماعت کا مرکز سڈنی شہر ہے اس کا مقصد غیر مسلم حلقوں اور تنظیموں میں اسلام کی دعوت نرم اور دلنشیں انداز میں فروغ دینا ہے۔ تقریروں کے ذریعہ، علمی مجالس کے ذریعہ، سمپوزیم کے ذریعہ، کتابوں رسالوں کے ذریعہ اسلامی تعلیم کے قریب اور استفادہ کے مواقع فراہم کرنا، نیز مدارس اور کالجوں میں پڑھائی کا انتظام کرنا ہے آسٹریلیا کے مسلمانوں میں دینی حمیت اور تعلیم کے لئے اسباب فراہم کرنا تاکہ دوسروں کے لئے اسوۂ حسنہ ہو یہ جماعت مسلمان لڑکوں کی تعلیم و تربیت قراءۃ قرآن اور عربی زبان کی تعلیم کے لئے انتھک کوشش کر رہی ہے اور اس سلسلہ میں دوسری جماعتوں سے بھی تعاون کر رہی ہے جماعت کا خرچ مسلمانوں کے چندہ سے پورا کیا جاتا ہے اور ہر آنے والے مسلمان خواہ سیاحت کے لئے آیا ہو یا ڈگری کی غرض سے تعلیم کے لئے چندہ وصول کیا جاتا ہے۔

ملبورن: ملبورن مسجدوں کا شہر کہلاتا ہے۔ البانی، ترکی اور عربی مسجدیں قومیتوں ہی کی طرف منسوب کی جاتی ہے مسجد البانی شہر کے قلب میں ہے اور اسکی تعمیر ۱۹۶۹ء میں مکمل ہوئی ہے اس کو ایک جرمنی مسلمان انجینئر نے اپنی نگرانی میں بنوایا۔

ان تمام سہولتوں اور آسانیوں کے باوجود مسلمانان آسٹریلیا کو الحادی خیالات و نظریات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس خطرناک سازش کے تحت مسلم نوجوانوں کے خیالات اور اساس مسلم کے عقائد کو متزلزل کر دینا چاہتے ہیں۔ مہلک اور گمراہ کن خیالات، آزادیٔ فکر کے نام سے رائج کیا جا رہا ہے اور آزادیٔ بحث کے نام پر اسلام اور اسلام کے عقائد پر الزام تراشیاں اور بہتان لگائے جا رہے ہیں۔

مسجدوں کی تعمیر، تنظیموں کی تشکیل اور ثانوی تعلیم کے انتظامات سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کے لئے مسلمانان آسٹریلیا کو تیار ہونا پڑے گا اور الحادی نظریات و خیالات کو ہر طرح سے مقابلہ کرنا پڑیگا۔ تاکہ نوجوان طبقہ کے رجحانات کو دین کی طرف موڑ سکیں۔ اور اس کے لئے ایسے معیاری کالج اور ادارے قائم کر سکیں جہاں مبلغ اسلام تیار ہوں اور ہر الحادی خیال و نظریہ کا مسکت جواب دے سکیں۔

[illegible] مسجد [illegible] شائع کیا۔
[illegible]

ندوی برادری کے علماء جلد اپنے نام، [illegible] اور مقام پیدائش [illegible] مقام [illegible] تعلیم کی تفصیل [illegible] علمی، دینی، سماجی اور سیاسی خدمات، [illegible] اور مستقل پتہ سے مطلع فرمائیں۔
(ایڈیٹر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوہ لکھنؤ)

بقیہ صفحہ ۲: تحریک ندوۃ العلماء اور سید صاحب

تھی کہ ایک طرف جدید گروہ تھا جس میں ایک ولولہ اور جوش تھا، اور جس کا اثر و رسوخ دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ دوسری طرف پرانا قدیم گروہ تھا جو اپنی موجودہ حالت پر بڑی حد تک قانع تھا اور جس کا حلقۂ اثر روز بروز گھٹتا اور سمٹتا جا رہا تھا۔ ان دونوں گروہوں کے طرزِ عمل کے اس اختلاف اور اس افراط و تفریط کی وجہ سے اُن میں اجنبیت و بیگانگی کی ایک ایسی خلیج حائل ہو گئی تھی کہ دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا اور دونوں سے بیک وقت تعلق قائم رکھنا بھی دشوار ہو گیا۔ عام مذہبی طبقہ یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا کہ جدید تعلیم کے فوائد سے بہرہ مند ہونا چاہیئے، بلکہ وہ اس کو الحاد و زندقہ قرار دیتا تھا اور جدید تعلیم یافتہ گروہ نے اس بات کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے اپنے دین کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ وہ اس کو قدامت پرستی اور تنگ نظری سمجھتا تھا۔

قدیم و جدید کی اس کشمکش کے علاوہ خود مذہبی گروہ بھی آپس میں متفق و متحد نہ تھے، بلکہ وہ مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر جماعت دوسری جماعت کو گمراہ سمجھتی تھی۔ اُن کا آپس میں ایک جگہ جمع ہونا اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ کہیں کہیں انہوں نے خانۂ خدا کو بھی تقسیم کر لیا تھا، جس کے اثرات کہیں کہیں اب بھی باقی ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے مسلمان قوم قدیم و جدید کی تفریق کے ساتھ دوسری اور بہت سی قسموں اور تفریقوں کا شکار ہو گئی۔

مگر اس انتشار و پراگندگی کے دور میں بھی قوم میں بعض ایسے عاقبت اندیش اور اعتدال پسند افراد موجود تھے جو اس وقت اختلاف کو قومی و دینی حیثیت سے سخت مضر سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کے لئے نہ تو جدید طبقہ کی مرعوبانہ اور خالص ترقی پسندانہ ذہنیت مفید تھی اور نہ قدیم گروہ کا جمود و تعطل، تعصب و تحزب، اور جدید تعلیم سے گریز سود مند تھا۔ مگر ان طبقوں میں اختلاف کی خلیج اتنی وسیع ہو چکی تھی کہ اس کا پاٹنا اور ان کو کسی ایک مقصد پر متحد کرنا آسان نہیں تھا۔ اس لئے پہلے انہوں نے ایسے تمام لوگوں کو جو موجودہ صورتِ حال کو بدلنے اور اس کی اصلاح کا جذبہ رکھتے تھے ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کی، تاکہ انہی کے ذریعہ موجودہ فضا کو بدلنے اور قدیم و جدید اور مذہبی گروہی عصبیت کو مٹانے کا کام انجام دیا جائے۔ اسی اعتدال پسندانہ اور جامع تخیل کی صورت گری ۱۸۹۴ء میں کانپور میں مجلس ندوۃ العلماء کی شکل میں ہوئی۔

اس مجلس نے جب اس تخیل اور مقاصد کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تو ابتداء میں حسبِ توقع خصوصاً قدیم مذہبی طبقہ کی طرف سے اس کی شدید مخالفت ہوئی۔ مگر اس کے باوجود قوم کے عاقبت اندیش، دور بین اور اعتدال پسند افراد نے، خواہ ان کا تعلق کسی گروہ اور کسی فرقہ سے ہو، اس آواز پر لبیک کہا … اور دوسرے برس بھی … مختلف الخیال اور متضاد عناصر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ملت کے تحفظ کی تدبیریں سوچنے لگے، اور انگریزی حکومت کی وجہ سے جو نئی صورتِ حال اور مشکلیں پیدا ہو گئی تھیں، اُن کے حل کرنے کا منصوبہ بنانے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء

اس مجلس نے اپنے وسیع اور ہمہ گیر تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جو تجویزیں اختیار کیں، اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ ایک ایسی درسگاہ کھولی جائے، جس کا نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم قدیم و جدید کی خامیوں سے پاک اور ان کی خوبیوں کا جامع ہو، تاکہ اس سے جو افراد تعلیم پا کر نکلیں وہ قوم کے اندر اس جامع تخیل کا احساس پیدا کر سکیں، جس کی اس وقت ضرورت تھی اور جس کے لئے مجلس ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا تھا۔ چنانچہ اسی تجویز کے تحت لکھنؤ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے نام سے ایک درسگاہ کا قیام عمل میں آیا۔ اسی جامع درسگاہ کے گوہرِ شب چراغ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اس وقت مجلس ندوۃ العلماء کا مظہر محض ایک مرکزی درسگاہ رہ گیا ہے، مگر جس زمانہ میں یہ مجلس قائم ہوئی تھی اس وقت مستقل ایک نئی تحریک، دعوت اور قدیم و جدید کی جامعیت کا ایک نشان تھی، اس کے پلیٹ فارم پر دین و ملت کے مسائل حل کرنے کے منصوبے طے ہوتے تھے۔

درسگاہ کے قیام کے بعد بھی چند برسوں تک یہ مجلس اپنی اصلی ہیئت میں باقی رہی مگر آہستہ آہستہ اس کی تحریکی حیثیت ختم ہوتی گئی، اور اس کے اربابِ اہتمام و کارکنوں کی ساری توجہ اس درسگاہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس میں شک نہیں کہ اس درسگاہ نے تحریک کی جامعیت اور اس کی ہمہ گیری کو کسی نہ کسی حد تک باقی رکھا اور اس کے تخیل کو عملی جامہ پہنایا۔ مگر ایک حقیقت یہ ہے کہ درسگاہ درسگاہ ہوتی ہے اور تحریک تحریک، درسگاہ کا اثر محدود ہوتا ہے اور تحریک کا اثر ہمہ گیر اور وسیع ہوتا ہے، لیکن پھر بھی اس درسگاہ کے فرزندوں نے مسلم قوم کے ہر طبقہ کے فکر و عمل میں جو انقلاب، حرکت اور اعتدال و توازن پیدا کیا، اس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

آج ہم جس شخصیت کا ذکر کر رہے ہیں، وہ اس مادرِ علمی کا پروردہ اور اسی دانشگاہِ علم کا گلِ سرسبد تھا اور یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر دار العلوم ندوۃ العلماء کی آغوش سے محض ایک سید سلیمان ندوی ہی کی شخصیت پیدا ہوتی، تو بھی ہم اس تحریک کو کامیاب کہنے پر حق بجانب ہو سکتے تھے مگر اس نے تو ملک کے اندر اور ملک کے باہر اتنے نشانات چھوڑے ہیں کہ ان کے ذریعہ دین و ملت کے کتنے راہرو منزلِ مقصود کا پتہ پا رہے ہیں۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً نصف صدی تک ندوہ کی جامعیت، ہمہ گیری، اور اعتدال پسندی کو نہ صرف زندہ رکھا، بلکہ اس میں اور وسعت دی، قدیم و جدید کی تفریق اور علماء کی گروہی عصبیت کو مٹانے اور ان کو باہم شیر و شکر کرنے میں پورے اخلاص کے ساتھ حصہ لیا، اور اس میں سب سے زیادہ کامیاب ہوئے، اور اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن پر جو داخلی اور خارجی حملے کئے جا رہے تھے، ان کی روک تھام کے لئے ندوہ نے جو پروگرام بنایا تھا اسے سید صاحب نے اجمالی و عملی دونوں حیثیتوں سے پورا کیا، یعنی انہوں نے ان حملوں کا جواب بھی دیا، اور اسلامی مسائل کی ایسی صحیح اور دلنشین تشریح کی کہ حملہ کرنے والوں کی ہمتیں چھوٹ گئیں اور کتنے تائب ہو کر اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔

سید صاحب کی شخصیت ملک و قوم کے مختلف الخیال عناصر کا ایک سنگم تھی، جہاں مختلف دھارے آکر مل جاتے تھے۔ اُن کی ذات پر ہر حلقے، ہر طبقے اور ہر گروہ کو اعتماد تھا، ندوہ کی سالانہ مجلس جب تک ہوتی رہی اس میں ہر مکتبِ خیال کے لوگ اکٹھا ہوتے رہے، مگر اس مجلس کے برہم ہونے کے بعد علماء میں صرف ایک سید صاحب ہی کی ذات تھی جہاں یہ عناصر جمع ہو سکتے، ہر طبقہ کے لوگ ان پر یکساں اعتماد کرتے تھے، اور ان کو اپنی مشترک علمی و دینی اور سیاسی مجلسوں کا صدر نشین بناتے تھے۔

تحریک ندوۃ العلماء کے پیشِ نظر جو مقاصد تھے، مختصراً ان کا تذکرہ کرنے کے بعد اُن کی روشنی میں سید صاحب کے کارناموں کی تفصیل کی جائے گی۔

ان کے مقاصد کی تفصیل علامہ شبلی کی زبان سے سنیئے جنہوں نے ندوہ کے قالب میں نئی روح پیدا کی۔

جب دار العلوم ندوۃ العلماء کی نئی عمارت بننی شروع ہوئی اور اس کی دیواریں کچھ بلند ہو گئیں تو علامہ شبلی پر اپنے لگائے ہوئے پودے کو پھولتا پھلتا دیکھ کر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی، اور ایک دن تمام طلبہ کو اپنے ہاتھوں سے پکی دیوار میں گارا اور چونا ڈھونے دیا۔ اس کے بعد طلبہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی جس کے آخر میں انہوں نے بڑے الحاح و زاری کے ساتھ یہ دعا کی۔

"اے خدا! یہ چند ناتواں، کم حیثیت، کم مایہ بچے تیرے گھر کی مزدوری کرنے آئے ہیں، ان کی مزدوری قبول کر۔ مغربی خیالات کا سیلاب مسلمانوں کو اپنی رو میں بہائے جا رہا ہے، جن کے ساتھ ان کی مذہبی حالت، مذہبی علوم، مذہبی شعائر سب اس طوفان کی زد میں ہیں۔ اے خدا! ان چند ناتواں بچوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اس سیلاب کی ٹکر کو سنبھال لیں گے۔ یہ بہت بڑا دعویٰ ہے جو ان کے چہرہ پر نہیں کھلتا تو یہ ہے جو اُن کی آبرو رہ جائے۔"

علامہ شبلی جن ناتواں بچوں کو لے کر مزدوری کرنے گئے تھے اور جن کے لئے انہوں نے خدا کی بارگاہ میں یہ دعا مانگی تھی کہ ان کو مغربی سیلاب کے مقابلے کے لائق بنا، ان میں ایک سید سلیمان ندوی بھی تھے۔

یہ پر درد اور پرسوز دعا اس کمرے کے پاس مانگی گئی تھی جو کلامِ الٰہی کی تفسیر کے لئے تعمیر ہو رہا تھا، جو اس بات کی علامت تھی کہ مغربی سیلاب کے رد کے لئے نوجوانانِ ندوہ جو بھی کوشش کریں گے اس کی بنیاد کتاب اللہ پر ہوگی۔ چنانچہ سید صاحب نے اپنی تمام علمی کاوشوں میں اس کو پیشِ نظر رکھا۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ ندوہ نے نہ تو جدید گروہ کی روشِ عمل اختیار کی تھی اور نہ قدیم گروہ کی، اس لئے شروع میں اس کی شدید مخالفت ہوئی، علامہ شبلی نے اس کے جواب میں بہت سے مضامین لکھے اور … الندوہ میں ندوہ کی … پر ایک مضمون لکھا، اس کے آخر میں لکھتے ہیں۔

"ہم … اور ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے صرف انگریزی … کی تعلیم کافی ہے …"

Regd. No. L 1981 FORTNIGHTLY Phone: 22948

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow (India)

مولانا سید سلیمان ندوی کے وفات پر

تعزیتی بیانات

"علامہ ندوی جیسے اہل علم کی موت سے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کو نقصان پہنچا ہے، وہ قاہرہ کی عربی اکیڈمی کے ممبر بھی تھے، جہاں وہ عربی کے ایک بہت بڑے عالم کی حیثیت سے بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ......"

(عبدالوہاب عزام سفیر مصر)

"ہم کو علامہ سید سلیمان ندوی کی موت سے دکھ ضرور ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ اس کا دکھ ہے کہ جو علوم و فنون ان کے سینے میں تھے وہ بھی ان کے ساتھ دفن ہو گئے۔"

(شیخ ابو الخیر سفیر شام)

"مولانا سید سلیمان ندوی کے پایہ کا عالم صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ تمام عالم اسلام میں بھی کوئی نہ تھا۔"

(گورنر جنرل پاکستان)

"علم و فضل کے لحاظ سے تمام عالم اسلام میں بلند پایہ تھا، ان کے انتقال سے عالم اسلام کو زبردست نقصان پہنچا ہے مجھ کو بھی ذاتی نقصان ہوا کیونکہ میں نے ان سے بہت سے فیوض حاصل کئے۔"

(خواجہ شہاب الدین گورنر سرحد)

"ابھی پاکستان کو مولانا جیسے علم و کردار کے لوگوں کی سخت ضرورت تھی۔"

(سردار عبدالرشید وزیر اعلیٰ سرحد)

"...... انہوں نے اسلامی تاریخ کی تدوین میں جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں انھیں تا ابد قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔"

(سردار عبدالرب نشتر)

"سید سلیمان ندوی کی وفات سے قوم ایک جید اور فاضل عالم سے محروم ہو گئی ہے جس نے اپنی تمام زندگی اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔"

(مس فاطمہ جناح)

"مولانا ندوی قانونی کمیشن کے رکن تھے حکومت پاکستان نے یہ کمیشن ملک کی عدالتوں میں اسلامی قانون جاری کرنے کے سلسلہ میں مقرر کیا تھا، ان کی موت نے جس نقصان پہنچایا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔"

(ڈاکٹر ... پاکستان ...)

"وہ صرف علم و فضل بلکہ زہد و تقوی میں بھی ممتاز درجہ کے مالک تھے۔"

(مولانا ... لکھنؤ)

"... کہ عالم اسلام کا یہ گوہر جلد ... اس قدر جلد ہم سے جدا ہو جائے گا"

(مفتی عتیق الرحمن ... دہلی)

میں نہیں سمجھتا کہ ایک صالح ماں کی گود کا بدل کوئی اچھا مکتب ہو سکتا ہے۔ ہر تعمیر و اصلاح کے کاموں میں کافی حد تک اس درسگاہ اول یا خشت اولین کو نظر انداز کرتے ہوئے سعی و تعمیر کا دستور رہا ہے، ہم نے بہت صالحہ سے اپنے کاموں میں کم ہی تعاون حاصل کیا ہے اور بطور ایک ہم کے معاشرہ کو اسلامی نہج پر چلانے کی کوئی منظم شکل سامنے نہیں آتی۔ حالانکہ اس ماضی اور فطری مورچہ پر اگر شعوری سرگرمی ہو سکتی تو تاریخ میں صالح ساخت سازی کی مہم بڑی حد تک آسان ہو جاتی۔

اور طرفہ تماشا کہ باطل نے بطور ہراول دستہ کے اپنی تہذیب کی یلغار کا اسکو پُرفریب حسین عنوان بنا کر جا بجا اس حصن حصین کے در و دیوار، ناموس و دستور سب کو ہلا دیا ہے دور، انسان ساز ادارہ کو باہر لا کر گھیر دیا۔ اور ہم اس نصف کو میت اور انسان ساز تعمیرات بنانے والے جابکدست معمار سے حق کے حق میں کچھ کام نہ لے سکے۔

ہم ملت ابراہیمی کی تاریخ دعوت پر اگر ایک نظر ڈالیں تو حضرت ہاجرہ کا فیضان نظر اسمٰعیل ذبیح جیسا معمار مطبع و مرکز توحید عطا کرتا نظر آئے گا۔ فرعون طاغوتی نظام کے اکھاڑ پھینکنے کے منصوبہ رب علیم و حکیم میں ام موسیٰ اور امراۃ فرعون آگے آگے سرگرم عمل ہیں۔ امراۃ العزیز کو یوسف کنعانی کو عزیز مصر بنانے میں استعمال کیا گیا ہے، اور بنی اسرائیل کی ایک طویل داستان اعراض و معصیت حق پر اتمام حجت کرنے کے لئے مریم کا انتخاب کیا جا رہا ہے جس کے ذریعہ ابن مریم سے بنی اسرائیل کی آخری مسیحائی کرائی جائے گی۔

اور ...... پھر ...... جب کوئی "اترکر جا اسے سونے قوم آیا" تو وہ خدیجہ ہی تھی جس نے اس "قول ثقیل" کو اپنے نازک کندھوں پر اٹھایا۔ اور اس نسخہ کیمیا کو سب سے پہلے کلیجے لگایا۔ وہی تھی جس نے کسی نے "زملونی زملونی" کا تقاضا کیا تھا اور وہی تھی جو سراپا "تسلی" بن گئی تھی۔

اور پھر ...... حرم پاک کی پیاسی زمین کو پہلا قطرہ شہادت حق کی خاطر حضرت سمیہ کی جرأت ایمانی ہی سے نصیب ہوا۔ تحریک دعوت حق میں اس صنف صالحہ کو دوش بدوش لیکر چلا گیا ہے اور کبھی اس کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اور آج بھی ...... ہم کو ایسی صالح ماؤں کا بندوبست کرنا ایک اہم ترین ضرورت ہے۔ جن کی نگاہ سے نور ایمان چھلکے اور جن کے سینوں سے محبت و خشیت الٰہی کے سوتے ابل کر ہماری اس نوخیز پود کو ایمان و عمل سے شاداب کر سکیں، میرے خیال میں صالح ماں کی ایک نگاہ اور اس کی ایمان بھری گود کا کوئی مکتب بدل نہیں ہو سکتا ... درسگاہ ... ہماری ... خدمات سے زیادہ ...

(لڑکیوں کی دینی اور مذہبی تعلیم و تربیت کی ایک مثالی درسگاہ جامعۃ الصالحات رامپور میں اپنی بچی کے داخلے کے سلسلے میں حاضری ہوئی تھی۔ اس موقع پر ناظمہ جامعہ جناب عبدالحی صاحب مدیر "الحسنات" اور جامعہ کے دیگر منتظمین اور اساتذہ سے ملاقات اور تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ مسلمان بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت پر جامعہ کے ایک معتمد استاد مولانا محمد عزیز صاحب نے جن قابل فکر و توجہ خیالات کا اظہار فرمایا وہ افادۂ عام کے لئے شائع کئے جا رہے ہیں۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس طرح کے تعلیمی مراکز مختلف علاقوں میں قائم ہوں اور ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جائے۔)

(ا۔ ج۔ ندوی)

موجودہ نسل کے بگاڑ میں بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس کو "ماں" اور وہ بھی صالح میسر نہیں۔ "امامت صالح" اور صالح ماحول کے برپا کرنے میں "عورت صالحہ" کا بڑا دخل ہے۔ تہذیب حاضر کے فتنوں میں سے ایک عظیم فتنہ یہ بھی ہے کہ تعلیم کو تربیت سے زیادہ اہم سمجھا گیا ہے۔